

جزیرے پر دھماکہ

ایچ۔ اقبال کے جاسوسی کردار
میجر پر مود کا ایک اور کارنامہ

<http://www.kitaabghar.com>

پبلشرز : ادارہ کتاب گھر

کمپوزنگ : حرف کمپوزرز

پیش لفظ

ادارہ کتاب گھر <http://www.kitaabghar.com> جنوری ۲۰۰۴ء میں قائم کیا گیا تھا، اور اس کا واحد مقصد نئی نسل کو کتابیں پڑھنے کی طرف راغب کرنا ہے۔ آج جب کتابیں پڑھنا بالعموم اور خرید کر پڑھنا بالخصوص کم ہو گیا ہے، ایسے میں یہ بہت ضروری تھا کہ ایسے کچھ اقدام کیے جائیں تاکہ کتابوں سے، جو کہ انسان کی بہترین دوست ہیں، رابطہ قائم رہے، تعلق استوار رہے۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ آج تقریباً ہر گھر میں موجود ہے۔ نوجوان نسل اپنے فرصت کے لمحات میں اسے ہی استعمال کرتے ہیں۔ یہ استعمال تعلیم کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور محض تفریح کے لیے بھی۔ ہر دو صورتوں میں بہر حال یہ معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے۔

ادارہ کتاب گھر نے ان ہی دو چیزوں کو استعمال کرتے ہوئے مفت کتابوں (e-books) کی فراہمی کا سلسلہ شروع کیا۔ وسائل کی کمیابی اور وقت کی کمی کے باعث یہ سلسلہ ذرا سست رہا، لیکن مسلسل چلتا رہا۔ کتاب گھر پر موجود کتابوں کی افادیت سے کسی کو بھی انکار نہیں، لیکن ہمارے بہت سے قارئین کا اصرار تھا کہ تنقید نگاری اور تجریدی ادب کے ساتھ ساتھ دلچسپ، عام فہم اور مشہور و معروف ادیبوں، مصنفین اور شعراء کرام کی کتابیں بھی آن لائن کی جائیں۔ پیش کش حضرات کے عدم تعاون اور فنڈز کی کمی کے باعث ہم یہ نہ کر سکے۔ تاہم اب ہم اس مقصد میں کامیاب ہوتے جا رہے ہیں۔

عمران سیریز کا پہلا ناول ”خونفک عمارت“ اور جاسوسی دنیا (کرٹل فریدی، کیپٹن حمید) کا پہلا ناول ”دلیر مجرم“ پیش کرتے ہوئے ہم نے وعدہ کیا تھا کہ جلد ہی میجر پر مود کا بھی کم از کم ایک کارنامہ ضرور اپنے قارئین کی نذر کریں گے۔ سو اسی وعدے کو پورا کرتے ہوئے ”جزیرہ پر دھماکہ“ حاضر ہے۔ میجر پر مود کا کردار ایچ۔ اقبال کی تخلیق ہے، جو ابنِ صفی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ایچ۔ اقبال نے ابنِ صفی کی زندگی ہی میں عمران سیریز کے کچھ ناول لکھے اور انکے اندازِ تحریر کو دیکھتے ہوئے ابنِ صفی نے انہیں (عمران سیریز کے لیے) اپنا جانشین قرار دیا۔

”جزیرہ پر دھماکہ“ ادارہ کتاب گھر کی طرف سے، خود کمپوز کروا کر، پیش کی جانے والی چوتھی کتاب ہے۔ یہ کتاب بھی ہمیں ایک دوست نے کراچی سے بھجوائی ہے، اور اس کے لیے ہم انکے بے حد ممنون ہیں۔

آپ لوگ اپنی آراء سے نوازتے رہیں تاکہ ہم بہتر انداز میں اُردو زبان، اور اُردو بولنے والوں کی خدمت کر سکیں۔

ادارہ کتاب گھر

kitaab_ghar@yahoo.com

جزیرے پردھماکہ

ایچ۔ اقبال

1

عالمی امن کے افق پر جنگ کی گھنگور گھٹائیں کئی ماہ سے لہرا رہی تھیں، بالاخر وہ چشم زدن میں مطلع عالم پر چھائیں اور برس پڑیں۔ میجر پرمودان دنوں مون لینڈ میں تھا، کولکیٹ میں ہونے والی کانفرنس کی تفصیلات حاصل کرنے میں اس نے شاندار کامیابی حاصل کی تھی اور اپنے پرانے حریف ڈیبل اسکاٹ کو بھی شکستہ دینے میں کامیاب رہا تھا۔

ڈیبل اسکاٹ کی گرفتاری تہلکہ خیز تھی اور اس کی گرفتاری کا سہرا مون لینڈ انٹیلی جنس کے انسپٹر کلاس کے سر بندھا تھا۔ گرفتاری کے دوسرے ہی دن اسے بڑے سخت حفاظتی انتظامات میں مون لینڈ کے درالحکومت سن گراڈ بھیج دیا گیا۔

ادھر میجر پرمود کو بھی یہ ہدایت ملی تھی کہ وہ کولکیٹ سے سن گراڈ پہنچ جائے اور دوسری ہدایات کا انتظار کرے۔ سن گراڈ میں متعین بلگارنوی جاسوسوں نے اس کی رہائش کا معقول انتظام کر دیا تھا، ایک چھوٹا سا خوب صورت بنگلا جس میں ضروریات کی ہر شے موجود تھی۔ اس کے علاوہ بنگلے کے گیرج میں سرخ رنگ کی ایک چھوٹی سی کار بھی موجود تھی جو سن گراڈ کے دوران قیام میں اس کے استعمال میں رہتی۔

عالمی جنگ کی خبریں پرمود نے یہیں آکر سنی تھیں اور تب سے اس پر ایک اضطراب چھا گیا تھا۔ اضطراب کی وجہ جنگ کی ہولناکیاں نہیں بلکہ یہ خواہش تھی کہ اب اسے ایک سیکنڈ بھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ یہ وقت بڑا نازک تھا لیکن وہ کیا کرتا جبکہ بلگارنوی ہیڈ کوارٹر سے اسے صرف اتنا ہی حکم ملا تھا کہ وہ دوسری ہدایات ملنے تک سن گراڈ میں قیام کرے۔

یہ قیام کتنا طویل ہوگا، پرمود کو اس کا علم نہیں تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اسے ملنے والی دوسری ہدایات کیا ہوں گی اسی لیے وہ مضطرب ہو گیا تھا لیکن اس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ سن گراڈ کی تفریح کرتا پھرے یا بنگلے میں بیٹھا جنگ کی خبریں سنتا رہے۔

اس وقت گیارہ بجنے میں بیس منٹ باقی تھے۔ چمکی دھوپ سن گراڈ کی خوب صورت شاہراہوں پر بکھری ہوئی تھی۔ ٹریفک رواں دواں تھا اور ٹریفک کے اس ہجوم میں وہ سرخ کار بھی شامل تھی جسے پرمود چلا رہا تھا۔

ڈرائیونگ کے دوران میں، اس کا ذہن ڈیبل اسکاٹ کے معاملے میں الجھا رہا۔ اسکاٹ کے بارے میں خبریں اخبارات میں برابر آ رہی تھیں جن سے پتا چلتا تھا کہ اسکاٹ سے پوچھ گچھ کا سلسلہ برابر جاری ہے لیکن اسکاٹ نے اب تک اعتراف جرم نہیں کیا تھا۔

بہر حال اسکاٹ کے اعتراف نہ کرنے کے باوجود بھی اس کے خلاف کیس بے حد مضبوط تھا اور اخبارات یہ خیال ظاہر کر رہے تھے کہ ایک ہفتے کے اندر اندر اسکاٹ کا مقدمہ ایک خصوصی عدالت میں پیش کر دیا جائے گا۔

ادھر پرمود کے ذہن میں یہ بات پتھر کی لکیر کی طرح نقش تھی کہ ریڈش جاسوس ڈیبل اسکاٹ کو چھڑانے کی سر توڑ کوشش کریں گے۔ گیارہ بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے جب پرمود کی کار ایک گیارہ منزلہ عمارت کے پارکنگ شیڈ میں رکی۔ وہ لفٹ کے ذریعے اس عمارت کی آٹھویں منزل پر پہنچا۔ پوری کی پوری منزل گراڈ ایڈورٹائزنگ ایجنسی کے لیے وقف تھی۔ اس ایجنسی کا جنرل میجر عارف بٹ بلگارنیہ کا ایجنٹ تھا۔ اسی نے سن گراڈ میں پرمود کے لیے بنگلا اور ایک تیز رفتار کار مہیا کی تھی۔ مون لینڈ میں پھیلے ہوئے تمام بلگارنوی ایجنٹوں کا وہ چیف تھا۔ پرمود نے اس کے پاس جو ملاقاتی کارڈ بھجوایا اس پر ”ایل ایل سرگھان“ چھپا ہوا تھا۔

جلد ہی پرمود اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں عارف بٹ ایک طویل وعریض میز کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی عمر چالیس پینتالیس سال کے درمیان ہوگی۔ وہ تندرست و توانا آدمی تھا لیکن کنپٹیوں کے قریب کافی بال سفید تھے۔

کمرے کی ساخت ظاہر کر رہی تھی کہ وہ ایئر کنڈیشنڈ اور سائڈ پروف تھا۔ عارف بٹ، پرمود کے استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا۔ دونوں نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور رسمی جملوں کا تبادلہ ہوا۔ عارف بٹ نے کرسی پیش کی اور پرمود اپنی فلیٹ اتارتا ہوا بیٹھ گیا۔

”ہیڈ کوارٹر کی کوشش ہے کہ آپ واپسی شالمی گڑھ پہنچ جائیں اس کا بندوبست کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے“

”کب تک ہوگا یہ بندوبست؟“

”میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں میجر“

پرمود نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور جیب سے سگریٹ نکالنے لگا۔ پھر وہ دونوں کافی دیر تک جنگ کے موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ یہ مسئلہ بھی زیر بحث آیا کہ مستقبل میں فیوزر لینڈ کی حکومت کیا رول ادا کرے گی۔ اس سوال پر آج کل ہر جگہ چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کیونکہ فیوزر لینڈ کے وزیر خارجہ نے کوئیکٹ کانفرنس سے جو اچانک قطع تعلق کیا وہ بے حد پراسرار اور معنی خیز تھا۔ پرمود، عارف بٹ کی گفتگو کا موضوع بدلتے بدلتے اس موڑ پر آ گیا کہ سن گراڈ میں بگارانوی ایجنٹوں کی سرگرمیاں کیا ہیں۔

عارف بٹ نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور پائپ کا ایک گہرا کش لے کر مسکراتا ہوا بولا۔

”آج کل ہماری سرگرمیاں بس اتنی ہیں کہ ریڈش جاسوسوں کی سرگرمیوں کا سدباب کرتے رہیں اور ان کی کسی اسکیم کو کامیاب نہ ہونے

”دیں“

”کیا کوئی ریڈش جاسوس آپ کی نظر میں ہے؟“

”کئی ہیں“ عارف نے جواب دیا ”لیکن آج کل میری توجہ ایک لڑکی پر خاص طور سے مبذول ہے“

”خاص طور سے!“ پرمود نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا ”کیا وہ بہت خوب صورت لڑکی ہے۔“

”بے حد!“ عارف بٹ نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا ”لیکن باور کیجیے کہ میں اس پر ہزار جان سے تو کیا آدھی جان سے بھی عاشق نہیں ہوا

ہوں“

”میں باور نہیں کر سکتا“ پرمود کا موڈ اچانک خوشگوار ہو گیا تھا اس نے مسکراتے ہوئے کہا ”آخر یہ خاص توجہ کیوں۔“

”خاص توجہ اس لیے میجر کہ وہ آج کل وزارت دفاع کے ایک معمولی کلرک کے ساتھ دیکھی جا رہی ہے، اسے اپنی کار میں لیے گھومتی رہتی ہے اور اس پر بے تحاشا پیسا خرچ کرتی ہے۔ تفریح گاہوں میں وہ دونوں ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔ آپ خود سوچیے کہ ایک معمولی کلرک سے یہ غیر رسمی تعلقات کیا معنی رکھ سکتے ہیں!“

”ممکن ہے وہ اس پر عاشق ہو“ پرمود مسکرایا

”وہ اس سے کم از کم بیس سال بڑا ہے“

”ٹھیک ہے، عشق بچوں سے تو نہیں کیا جاسکتا“

اس بات پر عارف بٹ نے دل کھول کر قہقہہ لگایا اور ہنستا ہوا بولا ”آپ اس وقت کافی بذلہ سنجی کا مظاہرہ کر رہے ہیں“

”بس ایک حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا میں نے“ پرمود مسکراتا رہا

”وہ چار بچوں کا باپ بھی ہے“

”آٹھ بچے بھی باپ کے عشق میں رخسار اندازی نہیں کر سکتے“

”کیا یہ آپ کا تجربہ ہے؟“ عارف بٹ نے پھر تہقہ لگایا

”میں نے تو ابھی شادی کا تجربہ بھی نہیں کیا مسٹر بٹ!“

”بہر حال“ عارف بٹ نے مسکراتے ہوئے کہا ”میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ایک ریڈش جاسوسہ کو ایک معمولی کلرک سے عشق کیوں

ہوا ہے“

”ضرور معلوم کیجیے لیکن اگر آپ مجھے ان دونوں کے نام سے آگاہ کر دیں تو میں زانچہ تیار کر کے کل تک آپ کو ان کے بارے میں سب

کچھ بتا دوں گا“

ظاہر ہے کہ عارف بٹ نے اس بات پر یقین نہیں کیا ہوگا کہ پر مود کو علم نجوم میں کوئی دخل ہے۔ وہ اسے ایک مذاق ہی سمجھتا تھا۔ لیکن پر مود نے مذاق ہی مذاق میں اس سے ریڈش جاسوسہ اور اس کلرک کے نام پتے اور دیگر تفصیلات معلوم کر لیں۔ عارف بٹ کو احساس ہی نہیں ہو سکا کہ پر مود نے یہ معلومات دانستہ اور کسی خاص مقصد سے حاصل کی ہیں۔ وہ ان سب باتوں کو برسبیل تذکرہ سمجھ رہا تھا لیکن پر مود نے یہ مواد حاصل کر کے اپنے لیے مصروفیت ڈھونڈ لی تھی۔

V v v V

فیونا کی دن سے محسوس کر رہی تھی کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ روزانہ مختلف کار ہوتی تھی۔ آج والی کار کا رنگ سفید تھا۔

فیونا نے رفتار میں اضافہ کیا اور ایک ایسی سڑک پر آ گئی جہاں بہت کم ٹریفک تھا۔ اس نے ایک بٹن دبا کر ڈیش بورڈ کا ایک خانہ کھولا، اس خانے میں ریڈیو قسم کی کوئی چیز فٹ تھی۔ فیونا نے یکے بعد دیگرے اس کے تین بٹن دبائے اور کسی قدر آگے جھک کر کہنے لگی۔

”ہیلو..... ہیلوریڈون! فیونا کالنگ!“ اس نے یہ الفاظ کئی مرتبہ دہرائے

آخر اس مشین سے ایک مہین آواز سنائی دی ”اٹ از ریڈون“

”تعاقب آج بھی جاری ہے“ فیونا نے اطلاع دی

”اچھا“ چند لمحے خاموشی رہی پھر کہا گیا ”اسے جزیرے پر لے جاؤ“

”بہت بہتر“ دوسری طرف سے کٹ کی آواز سنائی دی۔

فیونا نے ڈیش بورڈ کا خانہ بند کیا اور گاڑی کی رفتار بڑھادی۔ سرخ کار اب بھی تعاقب میں تھی۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے

ہوئے آدمی کا چہرہ صاف نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ کار میں وہ اکیلا ہی تھا یہ تعاقب بندرگاہ تک جاری رہا۔

فیونا کا رکھڑی کر کے پیدل چلنے لگی۔ اس کے انداز سے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کہیں پہنچنے کی جلدی ہو۔ وہ ساحل سمندر کے اس

حصے میں پہنچی جہاں بے شمار لائیں کھڑی ہوئی تھیں۔ یہ جگہ گودی سے تقریباً چار فرلانگ کے فاصلے پر تھی۔

فیونا سیڑھیاں اتر کر ایک لائچ کی طرف بڑھی۔ ایک آدمی لائچ سے اتر کر اس کی طرف آنے لگا۔ وہ دھاری دار بنیان اور نیلی پتلون

پہنے ہوئے تھا۔

”کار شیڈ نمبر تین میں کھڑی ہے“ فیونا آہستہ سے کہتی ہوئی اس کے قریب سے گزر گئی۔ وہ آدمی رکے بغیر نکلتا چلا گیا تھا۔

اس حصے میں کھڑی ہوئی بیشتر لائیں ماہی گیروں کی تھیں لیکن کچھ ایسی بھی تھیں جنہیں کرائے پر چلایا جاتا تھا اس لیے فیونا کو اطمینان تھا

کہ تعاقب کرنے والے کو دشواری نہیں ہوگی۔ وہ لائچ کو تیزی سے چلاتی ہوئی کھلے سمندر میں نکل گئی۔

لاٹج تیزی سے بڑھتی رہی۔ تیسرے پہر کا وقت تھا ڈھلتے ہوئے سورج کی کرنیں سمندر کی سطح پر مچل رہی تھیں، ہوا ساکن تھی، آسمان پر بادلوں کے چھوٹے چھوٹے سے گالے اڑتے پھر رہے تھے۔

ایک ہاؤس بوٹ کے قریب سے گزر کر فیونا نے اس طرح سرگھمایا جیسے اس ہاؤس بوٹ کو دیکھ رہی ہو لیکن دراصل وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ تعاقب جاری ہے یا نہیں۔

ایک لاٹج آتی دکھائی دے گئی تھی۔ اس کے چلانے والے کے علاوہ جو شخص نظر آیا اس نے دھوپ کا چشمہ لگا رکھا تھا۔ سرخ کار والے نے بھی چشمہ لگا رکھا تھا اس لیے فیونا کو یقین ہو گیا کہ تعاقب جاری ہے۔ لاٹج تقریباً آدھے گھنٹے تک چلتی رہی۔ اب فیونا نے اس کی رفتار کم کر دی۔ اب وہ ایک جزیرے کے قریب پہنچ چکی تھی۔

وہ ایک چھوٹا سا ویران جزیرہ تھا۔ اونچی نیچی پہاڑیاں تھیں جن کی ڈھلوانوں پر بے شمار جھاڑیاں اور درخت اُگے ہوئے تھے۔ اچھا خاصا جنگل تھا۔ اس جزیرے پر صرف ان لوگوں کی نظر کرم رہتی تھی جو یہاں کبھی کبھی پنک منانے آتے تھے۔ مہینے میں دو ایک بار ہی کوئی پارٹی یہاں آتی تھی ورنہ اس جزیرے کے سناٹے میں صرف چڑیوں کی چہکا رگوں جی رہتی تھی۔

فیونا کی لاٹج نے جزیرے کے گرد نصف چکر پورا کیا اور اس کے شمال مغربی ساحل پر جارکی، پھر انجن بند کر دیا گیا۔ لاٹج جس چٹان کے پاس رکی تھی اس میں تین چار کنڈے لگے ہوئے تھے۔ فیونا نے لاٹج کا ہک ایک کنڈے میں پھنسا یا، پھر وہ ایک ہی جست میں جزیرے پر پہنچ گئی تھی۔

تعاقب کرنے والی لاٹج ابھی سامنے نہیں آئی تھی لیکن اس کے انجن کا دھیمادھیماسا شور سنائی دے رہا تھا۔ کسی قدر بلندی پر چڑھ کر فیونا دوسری طرف نشیب میں اترنے لگی۔ جگہ جگہ خاردار جھاڑیاں تھیں۔ اسے ان سے بچ کر چلنا پڑ رہا تھا۔ کبھی وہ پلٹ کر پیچھے دیکھ لیتی۔ اس کے چہرے پر اضطراب یا بے چینی کا شائبہ تک نہ تھا جیسے وہ جانتی تھی کہ اب جو کچھ ہوگا وہ ہر اعتبار سے اطمینان بخش ہے۔

وہ کوئی پانچ منٹ تک چلتی رہی، پھر ایک جگہ رک گئی۔ ایک درخت سے ٹیک لگا کر اس نے اپنے پرس میں سے لائٹ اور سگریٹ کیس نکالا، پھر ایک سگریٹ جلائی اور ہلکے ہلکے کش لیتی ہوئی نیم باز آنکھوں سے اس طرف دیکھنے لگی جدھر سے آئی تھی۔

سورج مغرب میں جھکتا جا رہا تھا اور جزیرے کی فضا چڑیوں کے شور سے گونج رہی تھی۔ فیونا نے آدھی سگریٹ ختم کی تھی کہ اسے اچانک یوں محسوس ہوا جیسے کوئی آدمی سامنے آتے آتے ایک دم آڑ میں چھپ گیا ہو۔ غالباً اس نے فیونا کو کھڑا دیکھ لیا تھا اور جلدی سے ایک گھنی جھاڑی کی آڑ لی تھی۔

فیونا نے اپنے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں پیدا ہونے دیے۔ وہ چپ چاپ کھڑی سگریٹ کے کش لیتی رہی۔ اب وہ اس طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی جہاں وہ آدمی نظر آیا تھا۔

سگریٹ ختم کر کے اس نے زمین پر ڈالی اور سینڈل کی ایڑی سے رگڑ دی۔ ٹھیک اسی وقت ایک آواز گونجی ”ہینڈ زاپ“۔ فیونا نے چونک کر سر اٹھایا۔

آواز اس طرف سے آئی تھی جہاں وہ آدمی نظر آیا تھا۔ فیونا کے قدم تیزی سے اسی طرف اٹھنے لگے۔ ان گھنی جھاڑیوں کی دوسری طرف پہنچتے ہی فیونا نے اس چشمے والے کو دیکھ لیا جو تین آدمیوں کے رویو اوروں کی زد میں دونوں ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔ وہ تینوں آدمی پتلون اور جیکٹوں میں ملبوس تھے۔ ان میں سے ایک اس چشمے والے کی تلاشی لے رہا تھا۔

”ہیلو!“ فیونا چہکی

”آخرا اس حرکت کا مطلب کیا ہے!“ چشمے والے نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا

”بہت جلد معلوم ہو جائے گا“ فیونا نے مسکرا کر کہا

چشمے والا اسے بڑے عجیب انداز میں دیکھنے لگا، پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا ”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تمہارا تعلق کسی جرائم پیشہ گروہ سے ہوگا“

”فیونا!“ ایک جیکٹ والے نے قہقہہ لگا کر کہا ”عالمیہ اس خیال سے تمہارے پیچھے لگا ہوگا کہ تم جنت کی حور ہو“

اس بات پر فیونا نے بھی قہقہہ لگایا۔ چشمے والے کے پاس ایک ریوالور کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں تھا وہ ریوالور ایک جیکٹ والے نے اپنی جیب میں ٹھوس لیا۔

”جا کر اس لالچ والے کا بھی بندوبست کر دو!“ فیونا بولی

”تم دونوں جاؤ!“ اس جیکٹ والے نے جو فیونا سے مخاطب ہوا تھا، اپنے ساتھیوں سے کہا۔ وہ دونوں چلے گئے۔ جیکٹ والے نے ریوالور کی نال چشمے والے کی کمر سے لگا دی۔ چشمے والے کو آگے چلنا ہی پڑا۔ فیونا جیکٹ والے کے ساتھ چلنے لگی۔

”میرا خیال ہے یہ آدمی مون لینڈ انٹیلی جنس کا نہیں“ فیونا آہستہ سے بولی

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں“ جیکٹ والے نے سر ہلاتے ہوئے کہا ”یہ جنوبی براعظم کا باشندہ معلوم ہوتا ہے“

”اوہ“ فیونا نے چونک کر کہا ”کہیں یہ میجر پرمود تو نہیں!“

”نہیں وہ تو نہیں ہے“

”کیا تم میجر پرمود کو پہنچانتے ہو؟“

”پہچانتا تو نہیں ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میجر پرمود اتنی آسانی سے ہمارے ہاتھ نہیں لگ سکتا تھا۔ وہ کسی لومٹری کی طرح چالاک اور سانپ کی طرح پھرتیلا ہے پچھلے دنوں اس نے کولگیٹ میں ماسٹر اسکاٹ کو کلتے غٹے دیے ہیں۔ تمہیں تو معلوم ہی ہوگا۔“

”خوب یاد دلایا تم نے ماسٹر اسکاٹ کا کیا رہے گا۔“

”ماسٹر کو آزاد کرانے کا فرض ”بی“ گروپ کو سونپا گیا ہے“

”کیا یہ ممکن ہوگا؟“

”کیا ممکن ہوگا؟“

”ماسٹر کو آزاد کرانا“

”بی“ گروپ والے ہی اس سلسلے میں کچھ کہہ سکتے ہیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کل سے بی گروپ میں منتقل ہو رہا ہوں“

”نہیں!“ فیونا کے لہجے میں حیرت تھی

جیکٹ والے نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ”بی“ گروپ کے انچارج نے ریڈون سے درخواست کی تھی کہ مجھے اس کے گروپ میں منتقل کر دیا جائے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھے اپنے گروپ میں کیوں لینا چاہتا ہے۔ بہر حال ریڈون نے اس کی درخواست منظور کر لی ہے۔“

”گویا کل سے جزیرے پر تمہاری جگہ کوئی اور آ جائے گا!“

”نہا ہر ہے“

چشمے والے کو ایک غار میں لایا گیا۔ شام قریب تھی اور غار کا دہانہ بھی چھوٹا تھا اس لیے وہاں سورج کی روشنی برائے نام پہنچ رہی تھی۔ اس تاریکی کو دور کرنے کے لیے وہاں ایک کیروسین لیمپ جل رہا تھا۔ کچھ اس قسم کا سامان بھی نظر آیا جیسے وہاں کسی کی مستقل رہائش ہو۔

”ہاں دوست! اب تم کھل جاؤ!“ جیکٹ والے نے اپنے ریوالور کو معنی خیز جنبش دیتے ہوئے کہا

چشمے والے کی نظر فیونا کے چہرے پر جم گئی، وہ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا ”اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم ایک جرائم پیشہ لڑکی ہو تو میں ہرگز تمہارے حسن سے متاثر نہیں ہوتا“

”کیا مطلب!“ فیونا حیرت سے بولی

جیکٹ والے نے ایک تہقہ لگایا، پھر کہا ”غالباً یہ شخص تم پر عاشق ہو گیا ہے فیونا!“

”تمہیں کوئی حق نہیں کہ میرے جذبات کا مذاق اڑاؤ“ چشمے والے نے بڑک کر کہا۔

جیکٹ والا ہنستا رہا ”فیونا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک بیباک سی لکیر کھینچ گئی تھی۔

اس نے کہا ”اگر تم حقیقت اگل دو تو میں تمہیں اپنے ساتھ ایک رات بسر کرنے کا اعزاز بخش دوں گی۔“

”اب میں تم پر تھوکنہ بھی پسند نہیں کروں گا“ چشمے والے نے تحارت سے کہا ”میں جرائم پیشہ افراد کو سخت ناپسند کرتا ہوں۔“

”اب زیادہ بیوقوف بنانے کی کوشش مت کرو“ جیکٹ والے نے اچانک اپنی ہنسی روک کر خشک لہجے میں کہا ”اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری لاش اس ویران جزیرے میں دفن نہ کی جائے تو بہتر ہوگا کہ سیدھی راہ پر آ جاؤ“

”تم جیسے قانون شکن بالاخر اپنی سزا کو پہنچتے ہیں“ چشمے والے نے غراتے ہوئے کہا ”میں تم لوگوں سے بالکل خائف نہیں ہوں لیکن جو حقیقت تھی وہ تمہیں بتا چکا ہوں“

”میرا خیال ہے کہ اس کی اطلاع ریڈون کو دے دینا چاہیے کہ میرے عاشقوں کی فہرست میں مزید ایک آدمی کا اضافہ ہو گیا ہے۔“ فیونا

ہنستی ہوئی بولی

”دینا ہی پڑے گا اطلاع“ جیکٹ والے نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا ”اور یہ کام تم خود ہی کر ڈالو“

فیونا اپنی جگہ سے ہٹ کر کونے میں رکھے ہوئے ٹرانسمیٹر کے قریب پہنچی اور ریڈون سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش میں لگ گئی۔

چشمے والا چور نظر سے غار کا جائزہ لینے لگا۔ غالباً وہ اس فکر میں تھا کہ شاید بھاگ نکلنے کا موقع مل جائے۔

غار کا ایک دہانہ تو وہ تھا جس سے وہ تینوں یہاں پہنچے تھے اور ایک دہانہ اس کی مخالف سمت میں تھا۔ اس دہانے پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ غالباً غار در غار کا سلسلہ تھا۔ ممکن ہے اس دوسرے غار سے نکاسی کا کوئی راستہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ ہو۔

جیکٹ والے نے اپنے شکار کے ارادے کو بھانپ لیا تھا۔ وہ خشک لہجے میں بولا ”بیکار ہے دوست، تم یہاں سے بھاگ نہیں سکتے“

چشمے والا ہونٹ بھیج کر اسے گھورنے لگا۔ پھر شاید کچھ کہنا بھی چاہتا تھا مگر اچانک اس کی توجہ فیونا کی طرف مبذول ہو گئی۔

”وہ آدمی ہماری قید میں ہے سر!“ فیونا ٹرانسمیٹر میں کہہ رہی تھی ”لیکن وہ اپنے بارے میں کچھ بتانے پر آمادہ نہیں ہے“

”تمہارا کیا خیال ہے اس کے بارے میں“ ریڈون نے پوچھا

”وہ مون لینڈ کا باشندہ تو ہرگز نہیں ہے۔ چہرے مہرے سے وہ جنوبی براعظم کا باشندہ معلوم ہوتا ہے۔“

”بلا گرنیہ۔“ چونک کر پوچھا گیا

”میں اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی“

”وہ کچھ کہتا بھی ہے یا بالکل خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔“

”وہ ایسی باتیں کر رہا ہے جیسے مجھے کہیں دیکھ کر عاشق ہو گیا ہے“ فیونا مسکراتی ہوئی بولی

”بکتا ہے“ غرا کر کہا گیا

”پھر جیسا آپ کا حکم ہو“

”اگر زبان کھلوانے کے لیے اس کی بوٹی بوٹی کرنا پڑے تو بھی دریغ مت کرو“ ریڈون نے حکم دیا

”اگر وہ مر جائے تو۔“

”مر جانے دو“ لہجے میں بڑی سفاکی تھی

”بہتر ہے“ رابطہ منقطع کر دیا گیا

”سن لیا تم نے“ فیونا نے پلٹ کر چشمے والے کی طرف دیکھا۔ وہ اس طرح ہونٹ بھیج کر کھڑا ہو گیا جیسے اب زبان کو ذرا بھی حرکت نہ دینے کی قسم کھالی ہو۔

”کیا ارادہ ہے اب“ فیونا نے جیکٹ والے سے کہا

”اس کا دماغ ابھی درست کر دیا جائے گا۔ ان دونوں کو آ جانے دو“ جیکٹ والے کا اشارہ ان آدمیوں کی طرف تھا جو چشمے والے کی لانچ کے پائلٹ کا کچھ بندوبست کرنے گئے تھے۔

فیونا اور جیکٹ والے میں دوسری باتیں ہونے لگیں۔ ان باتوں کا تعلق ڈیبل اسکاٹ کی امکانی رہائی سے تھا لیکن اس گفتگو کے دوران میں بھی ریوالور کی نال چشمے والے کی طرف اٹھی رہی۔ تھوڑی دیر میں وہ دونوں آدمی واپس آ گئے۔

”کیا رہا“ فیونا نے پوچھا

”سب ٹھیک ہو گیا“ مختصراً جواب دیا گیا

”اب اسے رسی سے باندھ لو“ جیکٹ والے نے اشارے سے کہا

چشمے والا اس طرح سنبھل کر کھڑا ہو گیا جیسے جان پر کھیل جانے کا ارادہ کر بیٹھا ہو۔

”تم بالکل حرکت نہیں کرو گے“ جیکٹ والا غرایا

ان دونوں آدمیوں میں سے ایک نے غار کے کونے میں پڑی ہوئی رسی اٹھائی اور پھر وہیں کھڑے کھڑے اس کے سرے پر ایک پھندا

بنانے لگا۔

فیونا ایسی بے پروائی سے سگریٹ سلگانے لگی تھی جیسے وہاں ہونے والی کسی بات سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔

اس آدمی نے رسی کا پھندا بنالیا اور پھر چند قدم بڑھتے ہوئے اسے چشمے والے کی طرف اچھالا رسی کا دوسرا سر خود اس کے ہاتھ میں

رہا تھا۔

پھندا فضا میں تیرتا ہوا چشمے والے کی گردن میں جا گرا لیکن وہ اتنا بڑا تھا کہ گردن پر رک جانے کی بجائے شانوں سے نیچے پھسل کر بازوؤں تک پہنچ گیا۔ پھر شاید رسی کچھ کھینچی گئی تھی کہ پھندا چشمے والے کی کہنیوں سے ذرا اوپر تنگ ہو گیا۔

اس کے بعد چشمے والے کو باندھ لینا آسان تھا مگر اسی لمحے چشمے والے نے اپنے جسم کو کچھ اس طرح جھٹکا دیا کہ پھندا ڈالنے والا اچھل

کر اس پر جا گرا۔ دوسرے ہی ثانیے چشمے والے نے اسے اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اسے اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا تیزی سے غار کے دہانے کی طرف بڑھا۔ پتویشن ایسی تھی کہ اگر جیکٹ والا جلدی یا گھبراہٹ میں فائر کر دیتا تو گولی خود اس کے ساتھی کے گنتی۔ چشمے والے نے اسے اپنی

ڈھال بنالیا تھا۔

”پکڑو اسے“ جیکٹ والا لکارتا ہوا خود بھی چھپٹا

جو آدمی چشمے والے کی گرفت میں تھا اس کے منہ سے گندی گندی گالیاں نکل رہی تھیں۔ ساتھ ہی وہ جدوجہد بھی کر رہا تھا لیکن اسے چشمے والے کی آہنی گرفت سے نجات نہیں مل سکی۔

فیونا اضطراب کے عالم میں کھڑی پہلو بدل رہی تھی۔

جیکٹ والا اور اس کا دوسرا ساتھی جھپٹتے ہوئے بڑھے تھے۔ اس وقت تک چشمے والا دہانے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے اچانک اپنے شکار کو بڑی زور سے دھکا دیا۔ دھکا دیتے وقت چشمے والے نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالتور کھینچ لیا تھا۔ وہ بدنصیب اس طرح جیکٹ والے کے اوپر جا کر گرا کہ ٹریگر پر جیکٹ والے کی انگلی دب گئی ریوالتور نے شعلہ اگل دیا۔ گولی اس بد نصیب کے سینے میں اتر گئی۔ وہ کراہتا ہوا گرا اور تڑپنے لگا۔

پھر غار میں دوسرے فائر کی گونج کے ساتھ ہی جیکٹ والے کا ریوالتور اس کے ہاتھ سے اڑ کر غار کی دیوار سے جا ٹکرایا۔

چشمے والا بڑا بے خطا نشانہ باز تھا۔ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالتور کی نال سے نیلے نیلے دھوئیں کی باریک سی لکیر بل کھاتی ہوئی اٹھ رہی تھی اور وہ خود بڑے طنز یہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

جیکٹ والے کا ساتھی اس کے ہاتھ میں ریوالتور دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا اور اس نے اپنے ہاتھ اٹھانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

اچانک چشمے والے نے دیکھا کہ فیونا اپنا پرس کھول چکی تھی، غالباً ریوالتور نکالنے کے لیے! دھماکے کی مہلت نہیں تھی اس لیے چشمے والے نے بے دریغ فائر جھونک دیا۔ گولی فیونا کے داہنے بازو پر پڑی اور اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ پرس اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گر پڑا۔ بازو سے خون کی دھار بہنے لگی اس کے چہرے پر بڑے شدید کرب کے آثار تھے۔

”تم تو ایک عورت ہو لیکن میں ریڈ گلف کے کسی چوہے پر بھی رحم نہیں کھا سکتا“ چشمے والے نے بڑے سفاک لہجے میں کہا۔

”اور اب تم لوگ جان لو کہ میں میجر پر مودسیر ہوں“

چشم زدن میں جیکٹ والے کا چہرہ اس طرح سفید پڑ گیا جیسے اس نے فرشتہ اجل کا نام سن لیا ہو بالکل یہی حالت اس کے ساتھی کی ہوئی تھی۔ فیونا کا حال جو کچھ بھی ہوا ہو۔ فی الحال تو اس کے چہرے پر شدید کرب کے آثار چھائے ہوئے تھے۔

پر مود نے بڑے اطمینان سے رسی کا پھندا اپنے بازوؤں سے نکالا اور ایک طرف ڈال دیا۔

وہ آدمی جس نے جیکٹ والے کے ریوالتور کی گولی کھائی تھی اب ساکت ہو چکا تھا، بے جان

”تم دونوں پیچھے ہٹو“ پر مود نے حکمانہ لہجے میں کہا

جیکٹ والا اور اس کا ساتھی پیچھے ہٹ کر غار کی دیوار سے جا لگے۔ چہروں سے وہ دونوں اب تک خائف نظر آ رہے تھے۔

پر مود نے کچھ سوچ کر رسی دوبارہ اٹھائی اور چند قدم بڑھ کر جیکٹ والے کی طرف پھینک دی پھر کہا ”اس سے اب تم اپنے ساتھی کے ہاتھ

پیر باندھو“

دفعۃً عقب سے آواز آئی ”میجر پر مود!“ پر مود برقی سرعت سے اچھل کر دہانے کے سامنے سے ہٹ گیا اور گرج کر بولا ”جو بھی اندر

آیا اسے گولی مار دوں گا۔“

لیکن وہ حیران تھا کہ اسے اس طرح مخاطب کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ لب و لہجے سے وہ بلاگونی معلوم ہوا تھا۔ آواز غار کے باہر

سے آئی تھی۔

”میں اعجاز ہوں میجر صاحب“ وہی آواز پھر آئی

”کون اعجاز۔“

”سبز دائرہ“

”اوہ“ پرمود نے بے اختیار ایک طویل سانس لیا

سن گراڈ میں کام کرنے والے بگاڑنوی ایجنٹوں کا نشان امتیاز ”سبز دائرہ“ ہی تھا

”میں اندر آ کر آپ کو مزید اطمینان دلا سکتا ہوں“ آواز آئی

”آ جاؤ!“ پرمود نے کہا

اس دوران میں وہ فیونا اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے ایک پل کے لیے بھی غافل نہیں ہوا تھا۔

جونو جوان غار میں داخل ہوا، وہ سرمئی گبرڈین کے سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کے نقوش جاذب نظر اور جسم کسرتی تھا۔ اس نے قریب آ کر اپنی آستین کا کف پلٹ کر دکھایا اور پرمود کی تشفی ہو گئی۔ اٹے ہوئے کف پر سبز ریشمی دھاگے سے دائرہ بنا ہوا تھا۔

اعجاز نے بتایا کہ آج فیونا کی نگرانی کا فرض اسے ہی سونا گیا تھا۔ نگرانی کے دوران میں اس نے محسوس کیا کہ ایک سرخ کار بھی فیونا کے تعاقب میں لگی ہوئی ہے چنانچہ اس نے اپنی گاڑی سرخ کار کے پیچھے کر لی۔ پھر اس نے سرخ کار والے کی لانچ کا تعاقب بھی کیا اور اس جزیرے تک پہنچا۔ یہاں جو واقعات پیش آئے اس میں اعجاز نے کوئی حصہ نہیں لینا چاہا۔ وہ خاموش تماشائی بنا رہا لیکن جب یہ انکشاف ہوا کہ سرخ کار والا میجر پرمود ہے تو اس نے سامنے آ جانا ضروری سمجھا۔

اس نے پہلے کبھی میجر پرمود سے ملاقات نہیں کی تھی لیکن اسے یہ معلوم تھا کہ میجر پرمود ان دنوں سن گراڈ آیا ہوا ہے۔

”لیکن میں حیران ہوں کہ آپ فیونا کے تعاقب میں تھے“ اعجاز بولا

پرمود نے اس کی بات پر دھیان دیے بغیر کہا ”اب ہمیں ان لوگوں سے منٹ لینا چاہیے“

ان دونوں نے یہ ساری گفتگو بگاڑنوی میں کی تھی اس لیے اس بات کا امکان نہیں تھا کہ فیونا یا اس کے ساتھی، ان باتوں کو سمجھ سکے ہوں۔

”تم ابھی تک یونہی کھڑے ہو، پرمود، جیکٹ والے کو گھورتا ہوا غرایا

جیکٹ والے نے خاموشی سے رسی اٹھائی اور اپنے ساتھی کو باندھنے لگا

اسی وقت پرمود پھر بولا ”صرف آدھی رسی استعمال کرنا“

جیکٹ والے نے ایک نظر پرمود پر ڈالی اور اپنے کام میں مشغول رہا۔

فیونا دانتوں میں ہونٹ دبائے بائیں ہاتھ سے دایاں بازو پکڑے کھڑی تھی۔ خون سے اس کا بایاں بازو بھی رنگین ہو چکا تھا اور آنکھوں میں کرب کے سائے ناچ رہے تھے۔

پرمود نے اعجاز سے کہا ”تمہارے پاس ریوالور ہوگا۔“

”جی ہاں“

”تم ان دونوں کو زد میں لیے رہو“

اعجاز نے اپنا ریوالور نکال کر ان دونوں کو زد میں لے لیا

پرمود اپنا ریوالور جیب میں ڈال کر فیونا کی طرف بڑھتا ہوا بولا

”لاؤ میں تمہارے بازو پر پٹی باندھ دوں تاکہ خون زیادہ نہ بہہ سکے“

”مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے“ فیونا کسی جنگلی بلی کی طرح غرائی

پرمود اس کے قریب پہنچ کر رک گیا تھا۔ اس نے بے پروائی سے شانے جھٹکے اور بولا ”تمہاری مرضی! دراصل مجھے تم پر رحم نہیں آ رہا ہے۔ میں محض اس لیے ایسا کرنا چاہتا تھا کہ تم میرے سوالوں کا جواب دینے سے پہلے ہی بیہوش نہ ہو جاؤ۔ زیادہ خون بہہ جانے سے تم پر نقاہت طاری ہو جائے گی جو بالآخر بیہوشی کا سبب بنے گی۔“

فیونا نے بڑی نفرت سے پرمود کی طرف دیکھا اور پھر اس طرح سر جھٹکا جیسے پرمود کی کسی بات کا جواب نہیں دے گی۔
پرمود نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا ”تمہیں بتانا پڑے گا کہ مارسل سے تمہارا تعلق کیا معنی رکھتا ہے۔“
”کون مارسل۔“

”وزارت دفاع کا کلرک“ پرمود نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

”ہوگا، میں نہیں جانتی“ فیونا بے پروائی سے بولی

پرمود کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی زہریلی سی لکیر کھینچ گئی، پھر وہ بولا ”تم عورت بھی ہو اور زخمی بھی ہو لہذا تم پر تشدد کرنا میری توہین ہوگی لیکن تمہارے یہ دونوں ساتھی، میرا خیال ہے کہ میرے لیے کام کے آدمی ثابت ہوں گے“

اتنی دیر میں جیکٹ والا اپنے ساتھی کو باندھ کر ڈال چکا تھا۔ پرمود نے دوبارہ اپنا ریوالور نکال کر اعجاز سے کہا کہ وہ بقیہ رسی سے جیکٹ والے کو باندھ دے۔

اسی وقت غار میں لگے ہوئے ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ فیونا چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی
”تم اپنی جگہ سے بالکل حرکت نہیں کرو گی“ پرمود نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا اور ٹرانسمیٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔
اعجاز نے جیکٹ والے کے ہاتھ باندھنا شروع کر دیے تھے پرمود نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کیا
”ریڈون کالنگ فیونا! ریڈون کالنگ“

”میں بول رہا ہوں سر“ پرمود نے جیکٹ والے کی آواز کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔
یہ نقل اتنی کامیاب تھی کہ فیونا اور اس کے دونوں ساتھی متحیر رہ گئے لیکن تحیر کے اس غلبے کے ساتھ ہی فیونا چیخ کر بولی ”باس! خطرہ... آہ“

پرمود نے جھلا کر فائر کر دیا تھا اور گولی فیونا کی پیشانی پر پڑی تھی۔ وہ کراہتی ہوئی گر پڑی۔ پرمود پھر ٹرانسمیٹر کی طرف متوجہ ہوا لیکن دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ پرمود نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔ جیکٹ والے کا چہرہ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔

”اب کیا ہوگا میجر۔“ اعجاز پر تشویش لہجے میں بولا

”پروامت کرو“ پرمود نے شانے جھٹک کر کہا ”ریڈون ان لوگوں کی مدد کے لیے ضرور کسی کو بھیجے گا۔ لیکن ان لوگوں کو جزیرے تک پہنچنے میں پون گھنٹہ تو لگنا ہی چاہیے۔ اتنی دیر میں ہم یہاں سے چاکے ہوں گے۔“

اعجاز جیکٹ والے کے ہاتھ باندھ چکا تھا۔ پھر وہ اسے گرا کر اس کی ٹانگیں بھی باندھنے لگا

پرمود نے فیونا کی طرف دیکھا جو ٹھنڈی ہو چکی تھی

”یہی حشر تمہارا بھی ہوگا، اگر تم نے زبان نہیں کھولی“ پرمود نے جیکٹ والے کو گھورتے ہوئے کہا

وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ اس کے ساتھی کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں تھی جب سے ان دونوں نے پرمود کا نام سنا تھا ان کی جان نکلی جا رہی تھی۔

”اب تم بتاؤ گے کہ فیونا کو وزارت دفاع کے کلرک مارسل کے پیچھے کیوں لگایا گیا تھا۔“ پرمود نے کہا۔

جیکٹ والے نے پھر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

”بولو!“ اعجاز نے اس کی گردن پر ردایا۔

”مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم“ جیکٹ والے نے رک رک کر بتایا

”تم۔“ پرمود نے سوالیہ نظر سے اس کے ساتھی کی طرف دیکھا

”مجھے بھی نہیں معلوم“ وہ تھوک نکل کر بولا

”تم دونوں جھوٹ بول رہے ہو“ پرمود نے اطمینان سے کہا

”یقین کرو کہ.....“ جیکٹ والے نے کچھ کہنا چاہا

”بکواس نہیں چلے گی“ اعجاز نے غرا کر پھر اس کے ایک ہاتھ رسید کیا

پرمود نے اطمینان سے سگریٹ نکال کر جلائی اور اسے ہونٹوں کے بائیں گوشے میں دبا کر دونوں ہاتھ کمر پر رکھ لیے۔

غار میں دولاٹیں پڑی ہوئی تھیں لیکن پرمود ان کی طرف سے بالکل بے پروا نظر آ رہا تھا۔ یہی حالت اعجاز کی تھی۔ سیکرٹ ایجنٹوں کے

لیے لاشوں کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے جبکہ ان کی ساری زندگی صرف اس جملے سے عبارت ہوتی ہے کہ ”وقت پڑے تو مار دو یا مر جاؤ“ البتہ جیکٹ والے

اور اس کے ساتھی کی نظریں کئی مرتبہ ان لاشوں کا طواف کر چکی تھیں۔ وہ لاشیں جوان کے ساتھیوں کی تھیں، وہ ذرا ہی دیر قبل تو زندہ تھے پرمود کو قابو

میں کرنے کے بعد فیونا کیسا جھکتی رہی تھی لیکن اب۔ مٹی کا ڈھیر! زندگی کی آخری منزل! انجام جس کے ڈانڈے آغاز سے ملتے ہیں۔

”تمہارے پاس چاقو ہے۔“ پرمود نے اعجاز سے پوچھا

”نہیں“

پرمود نے اپنی جیب سے شکاری چاقو نکال کر اس کی طرف اچھال دیا۔ اعجاز نے اسے اپنے ہاتھوں پر روکا۔

جیکٹ والا اور اس کا ساتھی حواس باختہ نظر آنے لگے۔ پرمود نے اعجاز سے کہا ”اب ہم یہاں صرف دس منٹ رکیں گے۔ اگر تم اتنی دیر

میں ان کی زبان کھلو تو ٹھیک ورنہ اسی چاقو سے ان دونوں کی گردنیں الگ کر دینا۔ اس کے بعد ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے“

”ہم قسم کھاتے ہیں ہمیں کچھ نہیں معلوم“ جیکٹ والے کا ساتھی ہدیانہ سے انداز میں چیخ پڑا

”تم نہیں تو تمہارا ساتھی ضرور جانتا ہوگا“ پرمود نے سرد لہجے میں کہا

”نی الحال اس چاقو سے تشدد کا کام کیوں نہ لیا جائے“ اعجاز بولا

”یہ میں نے تمہیں اسی لیے دیا ہے“ جیکٹ والے کی آنکھوں میں سراسیمگی کے سائے گہرے ہو گئے۔ غار کی محدود فضا میں کڑکڑاہٹ

کی آواز گونجی۔ اعجاز چاقو کھول چکا تھا۔ جیکٹ والے کے چہرے کی سفیدی اتنی واضح ہو گئی جیسے اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ رہا ہو۔

باہر سورج غروب ہو چکا تھا۔ تاریکی پھیل چکی تھی۔ سارا جزیرہ سنائے میں ڈوبا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ غار میں کیرو سین لیمپ کی زرد روشنی

پھیلی ہوئی تھی۔ اس روشنی میں پرمود اور اعجاز کے سائے غار کی دیوار پر عجیب انداز میں حرکت کرتے نظر آ رہے تھے۔ ماحول بڑا پراسرار سا ہو گیا

تھا۔

”اس چاقو سے پہلے تو میں تمہاری ناک کاٹوں گا، اس کے بعد کان، پھر دائیں آنکھ پھوڑوں گا اور اس کے بعد.....“

”نہیں..... نہیں!“ جیکٹ والا پاگلوں کی طرح چیخ پڑا

”تو پھر سیدھی طرح ہر اس بات کا جواب دو جو ہم تم سے پوچھیں“ اعجاز نے سخت کھر درے لہجے میں کہا

پرمود سارا کام اس پر چھوڑ کر بے پروائی سے کھڑا سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا

”یقین کرو مجھے مارسل کے بارے میں کچھ نہیں معلوم“ جیکٹ والے نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا

اعجاز نے چاقو کی دھارا اس کی ناک پر رکھ دی۔

”خدا کے لیے یقین کرو!“ جیکٹ والا پھر چیخ پڑا

اسی وقت بہت سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ پرمود اور اعجاز چونک پڑے۔ جیکٹ والے اور اس کے ساتھی کے

چہرے کھل اٹھے۔ ان کی آنکھیں اس طرح چمکنے لگیں جیسے اب انہیں اپنے بچاؤ کی امید ہو گئی ہو۔

پرمود نے اپنی جیب سے ریوالور نکالتے ہوئے دہانے کی طرف چھلانگ لگائی لیکن پھر فوراً ہی تیزی سے پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو اس کی گردن میں سوراخ ہو جاتا۔ اس نے اندھیرے میں ایک شعلہ سا کوندتے دیکھ لیا تھا۔

اور پھر تو غار کے دہانے پر گولیوں کی بارش سی ہونے لگی۔ اب اس طرف سے نکلنے کی کوشش موت کو دعوت دینے کے مترادف

ہوتی۔ فائرنگ کا تسلسل بتا رہا تھا کہ وہ سات آٹھ آدمی ہیں۔

”ادھر“ پرمود نے اعجاز سے یہ کہتے ہوئے غار کے دوسرے دہانے کی طرف چھلانگ لگائی۔

فوری طور پر وہیں پوزیشن لی جاسکتی تھی۔

وہ دونوں اس دہانے کی دوسری طرف پھیلی ہوئی تاریکی میں جیسے تحلیل ہو گئے لیکن پھر اچانک اس تاریکی سے ایک شعلہ لپکا۔

جو لوگ غار میں داخل ہو رہے تھے، ان میں سے ایک کی پیشانی رنگین ہو گئی۔ وہ کراہتا ہوا کسی اکھڑے ہوئے درخت کی طرح

اوندھے منہ گرا۔

باقی لوگ تیزی سے پیچھے ہٹ گئے تھے۔ پرمود کی دوسری گولی ضائع ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی اعجاز بھی ایک فائر کر چکا تھا لیکن اس کی

گولی بھی کسی زندگی کو قلمہ اجل نہیں بنا سکی تھی۔

دشمنوں نے آڑ لے کر فائرنگ شروع کر دی۔ وہ بے تحاشا گولیاں برسار رہے تھے۔ پرمود نے عالم اضطراب میں پہلو بدلا اسے

حیرت تھی کہ وہ لوگ اتنی جلدی کیسے پہنچ گئے۔ ٹرانسمیٹر پر ریڈوں کی کال آئے ہوئے بمشکل دس منٹ گزرے تھے۔

بہر حال اب دیکھنا یہ تھا کہ بچاؤ کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ پرمود نے اپنی ٹارچ نکال کر اس کی روشنی میں غار کا جائزہ لینا چاہا مگر اس

وقت اس کے منہ سے عجیب سی آواز نکل گئی جب اس نے دیکھا کہ وہ غار نہیں بلکہ کوئی سرنگ تھی۔

یہ کہنا مشکل ہی تھا کہ وہ سرنگ کتنی لمبی ہوگی۔ اس بات پر بھی یقین نہیں کیا جاسکتا تھا کہ اس کا کوئی دہانہ ہوگا۔ یہ ممکن تھا کہ آگے جا کر

یہ سرنگ مسدود ہو گئی ہو۔

اتنی دیر میں اعجاز دو ایک گولیاں اور ضائع کر چکا تھا

”خواخوہ فائرنگ مت کرو“

”لیکن ہم اس غار سے کس طرح نکل سکیں گے میجر۔“

”یہ غار نہیں، سرنگ ہے“ پرمود نے کہا

”اوہ!“ اعجاز کے لہجے میں حیرت تھی

”میں ٹارچ کی روشنی میں جائزہ لے چکا ہوں“ پرمود نے بتایا

”پھر کیا بھاگنا شروع کر دیں۔“

”اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ وہ سات آٹھ ہیں اور میرے ریوالور میں صرف ایک گولی رہ گئی ہے“

” میرے ریوالور میں چار ہیں“

” فالتو راؤنڈ۔“

” ایک بھی نہیں“

” بس تو پھر مقابلے پر ڈٹے رہنا بیکار ہے۔ جوتے اتار کر اس طرح دوڑ لگاؤ کہ قدموں کی آواز بالکل نہ ہو۔ ان لوگوں کو یہ ڈانچ دینا

ضروری ہے کہ ہم ابھی یہیں ڈٹے ہوئے ہیں چلتے چلتے ایک فائر اور کر دینا۔“

دوسری طرف سے فائرنگ کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔ ان دونوں نے اپنے جوتے اتار لیے۔ اعجاز نے ایک گولی ضائع کی اور پھر ان دونوں نے وہاں سے دوڑ لگائی۔

” اگر یہ سرنگ آگے سے بند ہوئی تو۔“ اعجاز نے دوڑتے ہوئے بولا

” یہ اسی وقت سوچیں گے“

پرمود نے ٹارچ جلا رکھی تھی اور اس کی روشنی میں وہ دونوں پوری قوت سے دوڑ رہے تھے۔

سرنگ کسی سانپ کی طرح لہراتی ہوئی بڑھ رہی تھی۔ پھر ایک موڑ بھی آیا۔ اب وہ سرنگ بتدریج بلند ہوتی جا رہی تھی۔ وہ دونوں اونچائی

کی طرف دوڑتے رہے اور پھر اچانک ٹھنڈی ہوا کے ایک جھونکے نے ان کا استقبال کیا۔

” اوہ! راستہ ہے نکلنے کا“ اعجاز کے لب و لہجے میں بڑی مسرت تھی

” لیکن محتاط رہنے کی ضرورت ہے“ پرمود نے تاکید کی انداز میں کہا

” کیا مطلب۔ اوہ! کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس طرف بھی دشمن کے آدمی موجود ہو سکتے ہیں۔“

”ہاں“ پرمود نے کہا ”یہ ناممکن نہیں کہ ان لوگوں نے اپنے کچھ ساتھیوں کو اس طرف بھیج دیا ہو“

وہ سرنگ کے دہانے پر پہنچ گئے۔ تاروں سے بھرا آسمان صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دہانے پر رک گئے

” ٹھہرو! میں دیکھتا ہوں“ پرمود نے کہا اور زمین پر لیٹ کر چھپکی کی طرح ریگنتا ہوا بڑھا

اعجاز جہاں تھا وہیں رکا رہا۔ سرنگ میں اتنی تاریکی تھی کہ باہر سے انہیں ہرگز نہیں دیکھا جاسکتا تھا

پرمود ریگنتا ہوا دہانے سے کوئی ایک فٹ آگے پہنچ گیا اور بالکل ساکت ہو گیا۔ اب اس کی صرف آنکھیں گردش کر رہی تھیں اور وہ

ماحول کا جائزہ لے رہا تھا۔

توقع کے مطابق وہ اس وقت کچھ بلندی پر تھے۔ ارد گرد جھاڑ جھنکار تھے جن میں حشرات الارض کی سیٹیاں گونج رہی تھیں لیکن کوئی بھی

شے صاف نہیں نظر آ رہی تھی۔ ابھی چاند طلوع نہیں ہوا تھا اس لیے سارے جزیرے پر اندھیرے کی چادر لٹی ہوئی تھی۔

پرمود نے کسی قسم کی آہٹ نہیں محسوس کی۔ میدان صاف ہی معلوم ہوتا تھا لیکن احتیاط مزید کے طور پر اس نے قریب ہی پڑا ہوا ایک

وزنی پتھر نشیب میں لڑھکا دیا۔

سنائے میں کافی آواز پھیلی تھی، حشرات الارض لکھنت چپ ہو گئے تھے لیکن اس کے بعد پھر پہلے ہی سانسناٹا چھا گیا اور حشرات

الارض کی سیٹیاں دوبارہ گونجنے لگیں۔

پرمود دہانے سے کچھ اور بڑھا، پھر آہستہ آہستہ سیدھا کھڑا ہو گیا اس کے بعد بھی کوئی خاص واقعہ ظہور میں نہیں آیا تھا۔

” آجاؤ“ اس نے دھیمی آواز میں کہا

اعجاز فوراً اس کے قریب پہنچ گیا۔

”یہ تو ناممکن ہے کہ ان لوگوں کو اس سرنگ کی نکاسی کا یہ راستہ نہ معلوم ہو“ پرمود بولا

”بس وہ جلدی میں اس طرف دھیان دینا بھول گئے ہیں لیکن جلد ہی انہیں اپنی اس کوتاہی کا احساس ہو جائے گا اور وہ اس طرح دوڑیں

گے لہذا ہمیں جتنی جلد ہو سکے اس مقام سے دور ہو جانا چاہیے ارے لو! وہ آہی رہے ہیں“ پرمود چونکا

ان کے عقب میں سرنگ دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سے گونج رہی تھی۔

پرمود نے اعجاز کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف دوڑنے لگا۔ اندھیرے میں اس طرح دوڑنا مخدوش تھا لیکن اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی

نہیں تھا۔ اگر پرمود مارچ جلا لیتا تو یہ اس کی زندگی کی آخری حماقت ہوتی جو تے اب بھی ان کے ہاتھوں میں تھے اس لیے ان کے دوڑنے کی آواز دور تک نہیں پھیل رہی تھی۔

وہ نشیب میں دوڑتے رہے اور انہوں نے جلد ہی اپنے عقب میں سنائی دینے والی دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازوں کو بہت پیچھے

چھوڑ دیا۔ اب وہ آوازیں سنائی بھی نہیں دے رہی تھیں۔

”اس جزیرے سے نکلنے کا ذریعہ لاونچ ہی ہو سکتی ہے“ پرمود نے دوڑتے ہوئے کہا ”لیکن جہاں میں نے لاونچ چھوڑی تھی وہاں وہ

لوگ پہنچ چکے ہوں گے۔ تم نے اپنی لاونچ کہاں چھوڑی تھی، اسی جگہ۔“

”جی نہیں“ اعجاز نے جواب دیا ”اس سے کچھ فاصلے پر“

”اگر لاونچ والے نے گولیاں چلنے کی آوازیں سن لی ہوں گی تو پھر شاید ہی وہاں رکا ہو لیکن بہر حال ہمیں اسی طرف چلنا چاہیے“

”اب تو مجھے سمت کا اندازہ بھی نہیں رہا“

”اوہ“ پرمود کے لہجے میں تشویش کی جھلکیاں تھیں۔ اعجاز دوڑتے دوڑتے بری طرح ہانپنے لگا تھا۔

”ہم نے ان لوگوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے اس لیے سستانے کی خاطر کچھ دیر رکا جاسکتا ہے“ پرمود بولا ”ویسے بھی وہ لوگ اندازہ

نہیں کر سکے ہوں گے کہ ہم کس طرف بھاگے ہیں“

ان دونوں نے رفتار کم کی اور بالآخر رک ہی گئے

”سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرو“ پرمود نے مضطربانہ لہجے میں کہا ”ورنہ اگر کسی طرح وہ لوگ تمہاری لاونچ تک بھی پہنچ گئے تو مشکل

ہو جائے گی پھر شاید اس جزیرے سے نکلنے کا مسئلہ آسانی سے حل نہیں ہو سکے گا“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سمت کا اندازہ کیسے کروں“ اعجاز نے پریشان ہو کر کہا

”کوشش تو کرو۔ اگر اندازہ غلط ہو گیا تو دیکھا جائے گا لیکن یہ حماقت ہی ہوگی کہ غلطی کے ڈر سے کوئی قدم ہی نہ اٹھایا جائے“

اعجاز چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پرمود کا دماغ ابھی تک اس مسئلے میں الجھا ہوا تھا کہ ریڈون کے آدمی وہاں اتنی جلدی کیسے پہنچ گئے۔

اس کا واحد جواب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ بھی جزیرے ہی کے کسی حصے میں موجود تھے۔ اس جواب پر یقین کر لینے کے بعد ذہن میں اس سوال کا پیدا

ہونا قدرتی امر تھا کہ جزیرے پر ان لوگوں نے جگہ جگہ ڈیرے کیوں لگا رکھے ہیں۔

پرمود نے کچھ دیر بعد کہا ”اندازہ ہوا کچھ۔“

”اس طرف چلیے“ اعجاز نے ایک طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا

اس کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی لیکن پرمود نے طالع آزمائی کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ وہ اس وقت ایک ایسی ہی صورت حال

سے دوچار تھے کہ کسی خفیف سے امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا اعجاز کا پھولا ہوا سانس ابھی تک پوری طرح قابو میں نہیں آیا تھا لیکن ضروری

تھا کہ اس امکان کو جلد از جلد آزمایا جاتا۔ اگر ناکامی ہوتی تو پھر ایک صبر آزما صورت حال سے دوچار ہونا ہی تھا۔

دوڑ پھر شروع ہوگئی۔ اعجاز ہانپ رہا تھا لیکن اس نے دوڑنے میں کوئی کمزوری نہیں دکھائی۔

جھاڑیوں سے بچتے بچاتے وہ اونچے نیچے راستوں پر دوڑتے رہے اور پھر اچانک اعجاز نے پر مسرت لہجے میں کہا ”میرا اندازہ درست ثابت ہو رہا ہے میجر! یہ تار کا درخت اور یہ ٹیلا، ہم بالکل ٹھیک جا رہے ہیں وہ جو ادھر ایک ٹیلا نظر آ رہا ہے، اس کی دوسری طرف لالچ چھوڑی تھی میں نے“

”خوب! تو گویا قسمت ہمارا ساتھ دے رہی ہے“

اندھیرے میں اعجاز اس کے ہونٹوں پر ابھرتی ہوئی مسکراہٹ کی لکیر نہیں دیکھ سکا۔

اب وہ اس ٹیلے پر چڑھ رہے تھے جس کی طرف وہ لالچ موجود ہونا چاہیے تھی۔ بشرطیکہ لالچ والا گولیاں چلنے کی آواز نہ کر بھاگ نہ نکلا

ہو۔

وہ ٹیلے پر چڑھ کر دوسری طرف اترنے لگے۔ سامنے کوئی بیس گز کے فاصلے پر ایک اور ٹیلا تھا اور ان دونوں ٹیلوں کے درمیان میں سمندر کا پانی لہریں لے رہا تھا۔ بائیں طرف کافی فاصلے پر ایک اونچی سی چٹان تھی جس نے پانی کو مزید بڑھنے سے روک رکھا تھا اس طرح ایک چھوٹی سی خلیج بن گئی تھی۔

دائیں طرف کچھ فاصلے پر سمندر کی لہریں شور مچا رہی تھیں اور بہت دور سن گراڈ کی بندرگاہ کی روشنیاں جنگلوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

اچانک پر مود نے اعجاز کا ہاتھ پکڑتے ہوئے مضطربانہ انداز میں سرگوشی کی ”ٹھہرو! لیٹ جاؤ فوراً۔ اعجاز نے بڑی پھرتی دکھائی تھی لیٹنے میں، دراصل اس نے بھی ٹیلے کے نیچے خلیج کے کنارے کئی آدمیوں کے متحرک سائے دیکھ لیے تھے۔

”میں نے یہیں چھوڑی تھی لالچ“ اعجاز پر تشویش لہجے میں بولا

”لیکن دشمن یہاں ہم سے پہلے ہی پہنچ گیا“ پر مود نے ٹھنڈا سانس لیا ”ان لوگوں سے نمٹنا تو مشکل ہوگا۔ تمہارے ریوالور میں

تین اور میرے ریوالور میں صرف ایک گولی ہے جبکہ ان لوگوں کی تعداد سات آٹھ سے کم نہیں معلوم ہوتی۔“

”لیکن یہ لوگ تو اتنی جلدی یہاں نہیں پہنچ سکتے“ پر مود نے کہا

ٹھیک اسی وقت اعجاز کے پہلو کے نیچے دبا ہوا پتھر اپنی جگہ سے سرکا اور پر شور آواز کے ساتھ نیچے لڑھکتا چلا گیا۔ اعجاز نے بوکھلاہٹ میں اسے پکڑنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

”بیڑا غرق“ وہ جھلا کر بولا

فوراً ہی کسی نے نیچے سے ٹارچ کی روشنی اوپر پھینکی اور وہ دونوں اس کی زد میں آ گئے۔ وہ کافی قوت والی ٹارچ معلوم ہوتی تھی

”واپس بھاگو“ پر مود اچھل کر بولا

”ٹھہرو، رک جاؤ“ نیچے سے کسی نے لکار کر کہا

لیکن وہ دونوں بھاگ ہی پڑے۔ اسی وقت ایک فائر کیا گیا لیکن گولی نہ جانے کدھر ٹکرائی، ان دونوں کے تو قریب سے بھی نہیں

گزری تھی۔

کچھ وقفے سے دوسرا فائر ہوا اور اعجاز بال بال بچا ٹارچ کی روشنی ان کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہی تھی۔

پر مود نے سوچا، اس روشنی کی وجہ سے تو وہ دونوں مار لیے جائیں گے۔ اس نے اچانک پلٹ کر اپنے ریوالور کی آخری گولی چلا دی۔

تقریباً فائر کے ساتھ ہی ایک چیخ سنائی دی اور ٹارچ بجھ گئی یا شاید گولی کا شکار ہونے والے کے ہاتھ سے گر گئی ہو۔ بہر حال اب وہ دونوں تاریکی میں

تھے۔

”زندہ باد میجر!“ اعجاز کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا پرمود نے خالی ریوالور جیب میں ٹھونس لیا

دشمن نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی لیکن اب وہ دونوں، ٹیلے کی دوسری طرف اتر رہے تھے۔ گولیاں ان تک نہیں پہنچ سکتی تھیں ایک بار پھر دوڑ لگا نا پڑی۔ جوتے اب بھی ان کے ہاتھوں میں تھے۔ ننگے پیر ہونے کی وجہ سے نوکیلے پتھر بری طرح چھ رہے تھے۔

وہ کچھ ہی دور دوڑے ہوں گے کہ سامنے سے ایک فائر ہوا۔ گولی پرمود کے بائیں شانے پر خراش ڈالتی ہوئی گزر گئی۔ دوسرے ہی ثانیے پرمود نے دوڑتے ہی میں خود کو اوندھے منہ گرا دیا۔ گرتے گرتے اس نے اعجاز کی ٹانگ بھی پکڑ لی تھی۔ وہ بیچارہ بھی اوندھے منہ گرا۔ چونکہ غیر متوقع طور پر گرا تھا اس لیے اضطرابی طور پر اس کے منہ سے چیخ بھی نکل گئی اور چوٹیں بھی کافی آئیں لیکن وہ چوٹیں کیا اہمیت رکھتی تھیں جبکہ اگر وہ نہ گرتا تو دوسری مرتبہ چلائی جانے والی گولی اس کا سینہ چھید ڈالتی ہاں اگر پہلے فائر کی طرح نشانہ ہی خطا ہو جاتا تو دوسری بات تھی۔

پرمود نے اسے گرایا ہی اسی لیے تھا کہ وہ رکتے رکتے کافی آگے چلا جاتا اور پھر شاید کوئی گولی اسکی زندگی چاٹ لیتی۔ کئی فائر اور ہوئے

”ادھر“ پرمود کہتا ہوا تیزی سے بائیں طرف کے نشیب میں لڑھکتا چلا گیا

اعجاز کی کہنیاں اور گھٹنے بری طرح زخمی ہوئے تھے لیکن اس نے پرمود کی تقلید کرنے میں ایک سیکنڈ بھی تاخیر نہیں کی تھی۔

نشیب میں کئی جگہ خاردار جھاڑیاں ان سے الجھیں اور ان کے کپڑے کئی جگہ سے پھٹ گئے۔ جسم بھی کانٹوں سے زخمی ہوا اور سر میں بھی کئی چوٹیں لگیں لیکن بہر حال وہ کسی گولی کا شکار ہونے سے بچ گئے تھے۔

نشیب کے اختتام پر وہ خود بخود ہی رکے اور پھر انہوں نے ایک طرف دوڑنا شروع کر دیا۔

دشمن بغیر کسی ٹارگٹ کے گولیاں برسار رہا تھا اور دوڑنے بھاگنے کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔

”یہ کوئی دوسرے پارٹی تھی اور اس میں بھی چھ سات سے کم آدمی نہیں تھے۔“ پرمود دوڑتے میں بولا ”ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس

جزیرے سے آدمی اہل رہے ہوں“

اعجاز خاموش رہا۔ وہ کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہ گیا تھا

اب پرمود کا سانس بھی پھولنے لگا تھا لیکن اتنا زیادہ نہیں پھولا تھا کہ وہ اعجاز کی طرح کچھ بول ہی نہ سکتا۔

اعجاز کی حالت کافی تباہ تھی۔ سردیوں کے موسم کے باوجود بھی اس کا جسم پسینے میں ڈوب گیا تھا گھٹنوں اور کہنیوں میں الگ جلن ہو رہی

تھی۔ اسے احساس نہیں رہا کہ وہ کتنی دیر تک دوڑتے رہے تھے۔ آخر کار وہ مڈھال ہو کر گرتے گرتے بچا تھا اور پھر اس نے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔

اس کی وجہ سے پرمود کو بھی رکنا پڑا لیکن اسے یہ اطمینان ضرور تھا کہ دشمن کو انہوں نے بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

فائرنگ کی آوازیں اب نہیں آرہی تھیں۔ غالباً ان لوگوں کو گولیاں ضائع ہونے کا احساس ہو گیا تھا۔

اعجاز کے قریب ہی پرمود بھی ایک پتھر پر بیٹھ گیا اعجاز اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے لوہا کی دھونکی چل رہی ہو۔

انہیں وہاں سستاتے ہوئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ چیرے کے درختوں کے پیچھے سے چاند طلوع ہونے لگا۔ جزیرے پر چھائی ہوئی گھٹا

ٹوپ تاریکی کے سینے میں جیسے شگاف پڑتے چلے گئے۔ سناٹے میں ڈوبے ہوئے تاریک اور مردہ سے ماحول میں جیسے جان پڑ گئی۔ آٹھویں یا نویں کا

چاند تھا۔ پرمود کے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ اور اعجاز جس قسم کی صورت حال سے دوچار تھی اس میں ان کے لیے تاریکی ہی سودمند

تھی۔

زرد روچاند بتدریج بلند ہوتا رہا۔ میجر پرمود اور اعجاز جس جگہ تھے وہاں ان کی تین طرف اونچی نیچی سنگلاخ چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور چوتھی سمت میں گھٹا جنگل نظر آ رہا تھا۔ چیڑ اور صنوبر کے درختوں کی بہتات تھی۔

اب چاندنی میں پرمود اور اعجاز نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

”تمہارے جوتے کہاں ہیں۔“ پرمود نے بیساختہ پوچھا

”جب اس نشیب میں لڑھکنا شروع کیا تھا تو وہیں کسی جگہ گر گئے تھے“ اعجاز نے جواب دیا

اس کے سانسوں کا اتار چڑھاؤ کافی حد تک اعتدال پر آ چکا تھا۔

”اگر میرے جوتے تمہارے پیروں میں ٹھیک رہیں تو پہن لو“

”شکریہ میجر“ اعجاز نے کہا ”میرا پیر آپ کے پیروں سے بڑا ہے“ یہ کہتے ہوئے نہ جانے کیوں اعجاز کچھ جھینپ گیا۔

پرمود اپنے جوتے پہننے لگا، پھر اس نے کہا ”صورت حال کافی نازک ہو چکی ہے“

”بلاشبہ میجر“ اعجاز نے کہا ”سمجھ میں نہیں آتا کہ اب ہم اس جزیرے سے کس طرح نکل سکیں گے“

”یہ سوچنا اب بعد کی بات ہے۔ فی الحال ہمیں کوئی ایسی جگہ ڈھونڈنا ہے جہاں دشمن کی نظر سے چھپ سکیں۔ وہ لوگ ہمیں بڑی تندہی سے تلاش کر رہے ہوں گے۔ جب تک ان کی یہ سرگرمیاں ٹھنڈی نہ پڑ جائیں ہمیں کسی جگہ چھپا رہنا چاہیے“

”چھپنے کے لیے تو وہ جنگل ہی مناسب ہو سکتا ہے“

”قطعاً“ پرمود نے سر ہلاتے ہوئے کہا ”ہم وہیں چھپیں گے“ وہ دونوں اس جنگل کی طرف بڑھے۔

اعجاز کی چال میں خفیف سی لنگڑاہٹ تھی۔

”کیا بات ہے۔“ پرمود نے پوچھا

”بائیں گھٹنے میں بہت تکلیف ہے“

”اس نشیب میں لڑھکنا بڑا صبر آزما کام تھا“

”لیکن اسی کی وجہ سے جان بچ گئی“

وہ دونوں باتیں کرتے اور چونکنا نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے جنگل تک پہنچ گئے۔ پرمود نے ایک پرانے اور گھنے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ”اس پر چڑھ جاتے ہیں۔ یہ اوپر جا کر کافی گھٹا ہو گیا ہے، بڑی آسانی سے چھپا جاسکے گا“

”جی ہاں، یہ پناہ گاہ“

”لیکن کیا تم چڑھ سکو گے۔“

”کیوں“ اعجاز حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا

”میں تمہارے گھٹنے کی تکلیف کی وجہ سے کہہ رہا ہوں“

”اب یہ تکلیف ایسی بھی نہیں ہے کہ مجھے اپنا بچ بنادے“

وہ دونوں اس درخت پر چڑھ کر ایک اونچی شاخ پر جا بیٹھے۔ گھنے پتے انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ پرمود نے ایک طرف کے پتوں کو ہٹایا تاکہ سامنے کی طرف دیکھا جاسکے۔ اب اگر دشمن کی کوئی پارٹی ان کی تلاش میں اس طرف آتی تو وہ اسے دیکھ لیتے۔

”یہ لوگ ڈھیل اسکاٹ کوڑھا کر ان کے فکر میں ہیں“ پرمود بولا

”کیسے۔ آپ کو کیسے معلوم۔“ اعجاز نے چونک کر پوچھا

”فیونا اور اس کے ساتھی کی گفتگو سے“

”مجھے حیرت ہے کہ آپ اتنی آسانی سے ان کے ہاتھ لگ گئے تھے“

”جان کر ہاتھ لگا تھا“ پرمود مسکرایا

”کیا مطلب“ اعجاز کے لہجے میں حیرت تھی

”میں نے کوشش کی تھی کہ فیونا اپنے تعاقب سے باخبر ہو جائے اور پھر وہ لوگ مجھے گھیرنے کی کوشش کریں چنانچہ میں جو چاہتا تھا وہی

ہو گیا“

”مگر کیوں“ اعجاز نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا ”آپ یہ کیوں چاہتے تھے۔“

”یہ میری تفریح ہے“ پرمود نے بائیں آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا ”بھی کبھی دل چاہتا ہے اس قسم کی حرکتیں کرنے کو“

اعجاز کچھ نہ بولا لیکن وہ پرمود کو ایسی نظر سے دیکھنے لگا تھا جیسے کسی پاگل کو دیکھ رہا ہو

”اس قسم کی تفریحات کبھی کبھی کام بھی آ جاتی ہیں“ پرمود نے کہا

”اب آج ہی کی تفریح کی مثال لے لو، مجھے شبہ تو تھا لیکن اس تفریح کی بدولت اس شبے کی تصدیق بھی ہو گئی کہ ڈیہل اسکاٹ کو رہا

کرانے کی اسکیم بنائی جا رہی ہے۔ اس کام کے لیے ریڈش جاسوسوں کے کسی بی گروپ کو منتخب کیا گیا ہے“

”یہ بہت ضروری ہے کہ مون لینڈ کی حکومت کو ریڈش جاسوسوں کے اس عزم سے باخبر کر دیا جائے“

”جب تک اس جزیرے سے نہ نکالا جائے کچھ بھی نہیں ہو سکتا“ اعجاز کچھ سوچنے لگا

اب تک وہ دونوں بڑی ہنگامی صورت حال سے دوچار تھے لیکن اب جو ذرا سکون ملا تو بھوک پیاس محسوس ہونے لگی۔ چونکہ بہت زیادہ

بھاگ دوڑ کرنا پڑی تھی اس لیے پیاس کا احساس زیادہ شدید تھا۔ اگر سردیوں کی رات نہ ہوتی تو وہ پیاس سے بالکل ہی نڈھال ہو جاتے۔

پرمود کچھ دیر بعد بولا ”تمہارے اس طرح غائب ہو جانے سے عارف بٹ پر کیا رد عمل ہوا ہوگا۔“

”وہ یقیناً پریشان ہو رہے ہوں گے“

”تم نے انہیں آخری رپورٹ کس وقت دی تھی۔“

”بندرگاہ پر کار چھوڑنے سے پہلے میں نے ٹرانسمیٹر پر رپورٹ دی تھی کہ میں ایک سرخ کار کے تعاقب میں وہاں پہنچا ہوں اور وہ

سرخ کار فیونا کی گاڑی کے تعاقب میں ہے“

”تم نے رپورٹ میں میری کار کا نمبر بھی بتایا تھا۔“ پرمود نے جلدی سے پوچھا

”جی ہاں، کیوں“ اعجاز نے استعجابیہ لہجے میں کہا

”پھر عارف بٹ نے تم سے کیا کہا تھا۔“ پرمود نے اس کے استعجاب کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا

”وہ رپورٹ میں نے انہیں نہیں دی تھی“

”پھر۔“

”ٹرانسمیٹر پر اس وقت ہمارے ایک ساتھی جمال کی ڈیوٹی تھی اسی نے میری رپورٹ، بٹ صاحب تک پہنچائی ہوگی“

”ہوں“ پرمود سر ہلانے لگا

”آپ کس الجھن میں ہیں میجر۔“

”الجھن! نہیں تو“ پرمود مسکرایا ”میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ جب تمہارے عارف صاحب کو سرخ کار کا نمبر معلوم ہوا ہوگا تو وہ

بری طرح چکرا گئے ہوں گے انہیں تو معلوم ہی ہے کہ وہ نمبر میری کار کا ہے۔“

”اوہ، اچھا،“ اعجاز نے ایک طویل سانس لیا

”کیا اس بات کا امکان ہے کہ تمہارے ساتھی ہماری تلاش میں اس جزیرے تک پہنچ جائیں گے۔“

”مجھے تو کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ ہمیں اس جزیرے کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا اگر یہ بات علم میں ہوتی کہ ریڈش

جاسوس اس جزیرے سے کوئی تعلق رکھتے ہیں تو پھر یقیناً ہمارے ساتھی یہاں پہنچتے۔“

”وہ دیکھو“ اچانک پر مود نے چونک کر کہا

اس کا اشارہ ان چٹانوں کی طرف تھا جہاں سے وہ اس جنگل تک آئے تھے۔ وہاں سات آٹھ آدمیوں کی ایک ٹولی نظر آ رہی

تھی۔ ان سب کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ ایک جگہ رک کر وہ جنگل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ باتیں کرنے لگے۔

اعجاز کا دل دھڑک اٹھا۔

”کیا ان لوگوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے میجر۔“ وہ پرتشویش لہجے میں بولا

”یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا“ پر مود نے آہستہ سے کہا

ان کی نظریں ان لوگوں پر جمی رہیں۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ اسی طرف چلے گئے جدھر سے آئے تھے۔ اعجاز نے ایک طویل سانس لیا جس میں اطمینان کی جھلکیاں تھیں۔

پر مود بولا ”غالباً وہ لوگ جنگل کی طرف اشارہ کر کے یہ خیال ظاہر کر رہے تھے کہ ہم اس طرف کا بھی رخ کر سکتے ہیں“

”ہوں،“ اعجاز سر ہلانے لگا

پھر کوئی پارٹی اس طرف نہیں آئی اور ان دونوں کی وہ رات اسی درخت پر گزر گئی۔

اعجاز کو نیند کے جھوکے آنے لگے تھے اور پھر نہ جانے کس وقت اس کی آنکھ لگ ہی گئی تھی جب وہ بیدار ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کا

بایاں ہاتھ پر مود کی گردن میں حائل تھا اور سر اس کے شانے سے ٹکا ہوا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہو گیا

”سو چکے!“ پر مود مسکرایا

”میں، میں معافی چاہتا ہوں“ اعجاز ہک لایا

”معافی کس بات کی،“ پر مود ہنس پڑا

”یعنی میرا مطلب ہے۔ میرا ہاتھ آپ کی گردن میں حائل.....“ اعجاز بری طرح جھینپ رہا تھا۔

”تو کیا ہوا ابھی! میں کوئی لڑکی تو ہوں نہیں کہ اس میں کوئی حرج ہو۔ ویسے یہ حرکت تمہاری تھی بھی نہیں۔ میں نے ہی تمہارا ہاتھ اپنی

گردن میں ڈال لیا تھا۔ تم نیند میں تھے اس وقت، اگر میں ایسا نہ کرتا تو تم نیچے گر جاتے۔“ پر مود نے مسکراتے ہوئے کہا

اعجاز اسے تشکرانہ نظر سے دیکھنے لگا، پھر کہا ”نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا۔ میں نیند کا اتنا کچا نہیں ہوں۔ ساٹھ، ساٹھ گھنٹے جاگ کر

گزارے ہیں میں نے“

”پر وامت کرو۔ کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے“ پر مود نے کہا

اجالا پھیل چکا تھا۔ جنگل میں پرندوں کی آوازیں گونج رہی تھیں اور وہ ادھر سے ادھر اڑتے پھر رہے تھے۔

سردی اچھی خاصی تھی۔ اعجاز اپنے دونوں ہاتھ آپس میں رگڑ کر گرم کرنے لگا اور ادھر ادھر دیکھتا ہوا بولا ”پھر تو کوئی ہماری تلاش میں ادھر

نہیں آیا۔“

”نہیں! آؤ اب اتر چلیں کھانے پینے کا بندوبست کریں“

”کیا ہو سکے گا۔“

”شاید جنگلی پھلوں کا کوئی درخت مل جائے“

وہ دونوں نیچے آگئے اور جنگل میں اندر ہی اندر گھستے چلے گئے، نظریں ادھر ادھر بھٹکتی رہیں۔

”کچھ کھانے پینے کو مل جائے تو تازہ دم ہو کر ساحل کی طرف چلیں گے۔ پرمود بولا ”ہو سکتا ہے بندرگاہ کی طرف سے کوئی لالچ ادھر“

نکل آئے اور ہم ہاتھوں کے اشارے سے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیں“

”وہ دیکھیے!“ اچانک اعجاز نے ایک طرف اشارہ کیا

پرمود نے اس طرف دیکھا۔ وہ چھوٹی زردی مائل سبزی پتیوں کا درخت تھا جس میں سرخ رنگ کے بیضیوں سے پھل لگے ہوئے تھے۔

”یہ جنگلی پھل، پپا کہلاتا ہے، پرمود نے پر اطمینان انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا ”اس میں سنگترے کی طرح قاشیں ہوتی ہیں اور

ویسے ہی رس بھی ہوتا ہے لیکن رس میں ترشی کم اور تلخی زیادہ ہوتی ہے بہر حال اس سے پیاس تو بجھ ہی جائے گی۔ پیٹ البتہ نہیں بھر سکتا“

”پیاس ہی بجھے، حلق میں کانٹے پڑ گئے ہیں۔ آپ رکیے، میں ہی اوپر جاتا ہوں“

اعجاز نے درخت پر چڑھ کر پھل توڑ توڑ کر نیچے پھینکنا شروع کر دیے۔

”اب بس کرو!“ پرمود کچھ دیر بعد بولا ”اتنے ایک کیا ہوں گے“ اعجاز درخت سے اتر آیا

پھل کا چھلکا بہت سخت تھا لیکن گودا واقعی سنگترے کی طرح نرم ثابت ہوا۔ اعجاز نے دس بارہ پھل کھالیے۔ حالانکہ تلخی اچھی خاصی تھی

لیکن پیاس کی شدت نے تکلفات کو بہت دور جھٹک دیا تھا۔

پرمود نے چھ سات پھل کھائے، پندرہ سولہ باقی بچ گئے۔ وہ ان دونوں نے جیبوں میں ٹھونس لیے۔ پیٹ بالکل خالی ہونے کی وجہ

سے وہ سب پھل بھی صاف کیے جاسکتے تھے لیکن پیاس بجھ جانے کے بعد تلخی کا احساس بڑھ گیا تھا۔ اب ایک پھل بھی کم از کم اعجاز کے حلق سے نہ

اترتا۔

”آؤ اور آگے چلتے ہیں“ پرمود بولا ”شاید کسی ایسے پھل کا درخت بھی مل جائے جس سے پیٹ بھر سکے۔ اسی طرح بڑھتے ہوئے ہم

ساحل تک بھی پہنچ جائیں گے“

وہ بڑھنے لگے۔ سورج اب مشرق سے کافی ابھر چکا تھا۔ جنگل پر دھوپ پھیل گئی تھی۔ سردی کی وجہ سے اس کی تمازت بڑی بھلی معلوم

ہوئی۔

چلتے چلتے پرمود اچانک رکا اور اس نے اعجاز کو بھی بازو سے پکڑ کر روک لیا۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسے آثار تھے جیسے وہ کچھ سننے کی

کوشش کر رہا ہو

”کیا بات ہے میجر“ اعجاز حیرت سے بولا

”تم نے آوازیں نہیں سنیں۔“

”کیسی آوازیں۔“

”کتوں کے بھونکنے کی“

”نہیں تو“ اعجاز بولا

اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کہنا چاہتا ہو کہ جناب آپ کے کان تو نہیں بچ رہے ہیں۔ یہاں کتے کہاں سے آجائیں گے لیکن دوسرے

ہی ٹائیے وہ اچھل پڑا۔ ہوا کے دوش پر آتی ہوئی وہ آوازیں اس مرتبہ اس کے کانوں تک بھی پہنچ گئی تھیں۔

”یہ تو واقعی.....“ اعجاز عالم حیرت میں اپنا جملہ پورا نہیں کر سکا

آوازیں پھر سنائی دیں اور اس مرتبہ ان کی سمت کا اندازہ بھی ہو گیا۔ وہ آوازیں اسی طرف سے آرہی تھیں جدھر وہ جارہے تھے۔

پرمودی آنکھوں میں وحشیانہ سی چمک پیدا ہوئی اور پھر اس نے کہا ”غالباً وہ لوگ کتے لے کر ہماری تلاش میں نکلے ہیں“

”خدا کی پناہ! پھر اب کیا ہوگا۔“

”واپس دوڑ لگاؤ“ پرمود نے ہنس کر کہا

اعجاز کو اس عالم میں اس کی ہنسی بڑی عجیب لگی۔

بہر حال ان دونوں نے واپس اسی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

”خدا غارت کرے“ اعجاز کے منہ سے نکلا تھا

”اس طرح کو سننے سے کام نہیں چلے گا دوست!“ پرمود نے پھر ہنس کر کہا ”ویسے یہ آنکھ مچولی ہے دلچسپ“

اعجاز نے اس خیال پر کوئی رائے زنی نہیں کی۔ وہ پرمود تو تھا نہیں کہ ایسی ہنگامی اور خطرناک صورت حال سے اس کے کسی جذبے کو تسکین مل سکتی۔ وہ تو پرمودی تھا جسے اس قسم کے خطرناک کھیل پسند تھے۔

وہ بے تحاشا بھاگتے رہے۔ درختوں سے ٹوٹی ہوئی خشک ٹہنیاں اور پتے ان کے پیروں کے نیچے آکر کڑکڑا رہے تھے لیکن دشمن اتنی دور تھا کہ وہ آوازیں اس تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔

دوڑتے دوڑتے وہ دونوں اچانک رک گئے کیونکہ اب اس طرف سے بھی کتوں کے بھونکنے کی خطرناک آوازیں آرہی تھیں۔

”اب اس طرف مڑ جاؤ“ پرمود نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

وہ دائیں طرف مڑ کر دوڑنے لگے لیکن جلد ہی اس طرف سے بھی کتوں کی آوازیں آنے لگیں اور وہ ایک جھٹکے سے رک گئے۔

پرمودی آنکھوں میں نظر آنے والی وحشیانہ سی چمک میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا ”اب واپس مڑ کر بھاگنا بیکار ہے۔ وہ سامنے جو درخت نظر آ رہا ہے، وہ اتنا ہی گھنا ہے جتنے گھنے درخت پر ہم رات گزار چکے ہیں۔ بس اسی پر چڑھ جاؤ اللہ کا نام لے کر“ اعجاز اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگا۔ پریشانی غصے اور جھلاہٹ نے اس پر بیک وقت یلغار کی تھی۔

وہ اور پرمود اس درخت پر چڑھ گئے۔ انہوں نے خود کو گھنے پتوں میں چھپا لیا اور کسی ایسے واقعے کا انتظار کرنے لگے جس کا علم قدرت

ہی کو ہوگا۔

V v v V

یہ بات تو صاف ظاہر تھی کہ دشمن نے اس جنگل کو چاروں طرف سے گھیر کر بڑھنا شروع کر دیا تھا مگر یہ منظم یلغار کیا معنی رکھتی تھی۔ کیا ان

لوگوں کو یقین تھا کہ وہ دونوں اسی جنگل میں چھپے ہوئے ہیں۔

”اپنا ریوالور مجھے دے دو“ پرمود نے سرگوشی کی

اعجاز نے کچھ کہے بغیر ریوالور نکال کر پرمود کو دے دیا۔ پرمود پھر بولا ”یہ میں نے اس لیے لیا ہے کہ وقت پڑ جائے تو تینوں گولیاں کام

میں لاسکوں۔ تمہارا ایک آدھا نشانہ خطا بھی ہو سکتا ہے۔

اعجاز نے سر ہلادیا۔

وہ آوازیں اب کافی قریب آچکی تھیں۔ کتوں نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ ان کے ساتھ ہی آدمیوں کی آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں مگر الفاظ صاف نہیں سنائی دے رہے تھے۔

اعجاز دم سادھے بیٹھا تھا اور پر مود کی چمکتی ہوئی آنکھیں اطراف کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔ وقت گزرتا رہا اور پھر وہ آوازیں دور ہوتی چلی گئیں۔ تقدیر نے یادری کی تھی کہ ان کتوں کی کوئی پارٹی ادھر نہیں آئی لیکن فی الحال اسے اطمینان کی قطعی منزل نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔ اس بات کا امکان تھا کہ کوئی پارٹی پلٹ آتی بہر حال وہ دونوں دم سادھے بیٹھے رہے اور سورج، آسمان پر اونچا اور اونچا ہوتا چلا گیا۔

ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا تھا لیکن کوئی پارٹی اس طرف نہیں آئی تھی

”رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت“ اعجاز ٹھنڈا سانس لے کر بولا ”لیکن ابھی اسی درخت پر ایک آدھ گھنٹہ اور گزارنا ہوگا“

”کیوں۔“

”احتیاطاً“

کچھ دیر خاموشی رہی اور اس کے بعد پر مود پھر بولا ”میرا خیال ہے کہ مجموعی طور پر وہ پچاس ساٹھ آدمی تھے“

”اس پر ہم حیرت کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں“ اعجاز نے سر کھجاتے ہوئے کہا

ایک گھنٹہ اور گزر گیا پر مود نے گھڑی دیکھی۔ گیارہ بجنے والے تھے۔ اب وہ دونوں اس درخت سے اترے۔ بھوک کے مارے ان کے پیٹ میں چوہے کود رہے تھے۔ تقریباً چوبیس گھنٹے سے انہوں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔

”اب کدھر چلا جائے۔“ اعجاز ایک طویل سانس لے کر بولا

”جنگل ہی میں آگے چلتے ہیں۔ جنگل سے نکلنا خطرناک ہوگا“

”میرا تو بھوک کے مارے برا حال ہے“ اعجاز نے قدم اٹھاتے ہوئے کہا

”اس جنگل میں خرگوش کافی ہیں۔ ان کا شکار کیا جاسکتا تھا لیکن.....“

”کیسے شکار کیا جاسکتا تھا۔“ اعجاز نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ”گولی چلنے کی آوازاں لوگوں کو خبردار کر دے گی۔“

”چاقو سے“

”چاقو سے کیسے!“ اعجاز نے حیرت سے کہا

”ہوسکتا ہے“ پر مود نے سر ہلاتے ہوئے کہا ”لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تم کچا گوشت کھا سکو گے۔“

”لکڑیاں جلا کر بھون لیں گے۔ میرے پاس ماچس ہے“

”اور دھواں جو اٹھے گا۔ کیا اس سے دشمن کی توجہ ہماری طرف مبذول نہیں ہوگی“

”کتنی خشک لکڑیاں ہیں یہاں، بہت کم دھواں ہوگا“

”کم دھواں بھی دشمن کو دکھائی دے سکتا ہے“

”دیکھا جائے گا“ اعجاز نے پہلو بدل کر کہا

بھوک اسے بہت پریشان کیے ہوئے تھی۔ دراصل گزشتہ دو پہر کو بھی اس نے بہت ہلکی قسم کی غذا کھائی تھی اور صبح ناشتے میں صرف ایک

ابلا ہوا انڈا کھا کر چائے پی لی تھی۔

”تمہاری مرضی“ پر مود نے کہا ”میرا چاقو تمہارے پاس ہے لاؤ“

یہ حقیقت تھی کہ پرمود محض اعجاز ہی کی وجہ سے محتار رہنا چاہتا تھا ورنہ خطرات سے بہت زیادہ بچنے کی کوشش تو اس کی فطرت ہی کے خلاف تھی۔

اب وہ دونوں خرگوش کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکنے لگے۔ پرمود نے چاقو کھول کر اپنے داہنے ہاتھ میں سنبھال رکھا تھا۔ جلد ہی ایک خرگوش نظر آ گیا۔ وہ ان دونوں کو دیکھ کر اچھلتا ہوا ایک جھاڑی کی طرف بھاگا لیکن اسے جھاڑی کے قریب پہنچنا بھی نصیب نہ ہوا۔ پرمود کے ہاتھ نے بجلی کی طرح حرکت کی تھی اور دوسرے ہی لمحے تیز دھار کا نوکیلا چاقو خرگوش کے پیٹ کو چھیدتا ہوا نرم زمین میں دھنس گیا تھا۔ خرگوش جہاں تھا وہیں پھڑکنے لگا۔

اعجاز کے منہ سے حیرت زدہ سی آواز نکل گئی۔ بھاگتے ہوئے خرگوش کو چاقو سے اس طرح نشانہ بنانا چاقو زنی کی معراج تھی۔

پرمود نے چھپٹ کر خرگوش کو پکڑا اور چاقو اس کے پیٹ سے نکال کر اس کی گردن پر چلا دیا۔

اسی طرح ایک خرگوش اور شکار کیا گیا۔

ان معصوم جانوروں کو اس طرح مار لینا پرمود کو پسند نہیں تھا لیکن صورت حال ایسی تھی کہ اسے مجبوراً ایسا کرنا پڑا تھا۔ اگر اس کی اپنی بھوک کی بات ہو تو شاید وہ اس بربریت کو گوارا نہ کرتا۔ دوسرے لوگ اس سے متفق ہوں یا نہ ہوں لیکن وہ ان چھوٹے چھوٹے جانوروں کا شکار کو بربریت ہی سمجھتا تھا۔

بہر حال خشک لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی گئی اور دونوں خرگوش بھونے گئے۔ اس دوران میں دشمن کی آمد کا دھڑکا برابر لگا رہا۔ پھر ان دونوں نے اس گوشت سے پیٹ کی آگ بجھائی۔ نمک مرچ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہی بات غنیمت تھی کہ کچا گوشت نہیں کھانا پڑا تھا۔ پیاس بجھانے کے لیے دو چار جنگلی پھل کھائے گئے۔

جو آگ جلائی گئی تھی، وہ ایک چھوٹا سا گڑھا کھود کر دفن کر دی گئی، ورنہ اس کے سلگتے رہنے سے دھواں اٹھتا ہی رہتا۔ اب وہ دونوں آگے چل پڑے تھے۔ انہوں نے ایک ایک سگریٹ جلائی تھی۔ پیٹ بھرا ہوا ہونے کی وجہ سے ہر کش سرور بخشتا رہا۔

کوئی دس پندرہ منٹ تک چلتے رہنے کے بعد اچانک اعجاز نے کہا

”وہ دیکھیے بیر کا درخت معلوم ہوتا ہے“

”ہاں ہے تو بیر ہی کا“

”پھر کیا خیال ہے۔“

”تھوڑے سے توڑ لیں گے“

لیکن ابھی وہ اس درخت سے دس پندرہ قدم کے فاصلے پر تھے کہ قدموں کی آہٹ سنائی دی کسی آدمی کا قہقہہ بھی سنائی دیا۔ دوسرے ہی ثانیے پرمود، اعجاز کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے ایک گھنی جھاڑی کی اوٹ میں ہو گیا۔ اگر چند سیکنڈ کی بھی تاخیر ہو جاتی تو وہ لوگ انہیں دیکھ لیتے جو سامنے والی جھاڑیوں کی آڑ سے نکل کر سامنے آئے تھے۔

ان کی تعداد چھ تھی۔ ان میں سے دو کے پاس رائفلیں تھیں اور چار خالی ہاتھ تھے یہ سوچ لینا حماقت ہی ہوتی کہ ان کی جیبوں میں بھی ریوالور نہیں ہوں گے۔

”بھئی مجھے تو یقین ہے کہ وہ دونوں کسی نہ کسی طرح اس جزیرے سے نکل جانے میں کامیاب ہو چکے ہیں“ ایک آدمی کہہ رہا تھا

”اگر وہ یہیں کہیں ہوتے تو فوج نہیں سکتے تھے۔ ڈھائی سو آدمیوں نے انہیں تلاش کیا ہے۔ جزیرے کا ایک ایک چپا دیکھا گیا ہے“

پرمود حیرت سے دم بخود رہ گیا۔ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ ان کی تلاش میں ڈھائی سو آدمی سرگرم رہے

ہیں۔ حیرت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اتنے آدمی آئے کہاں سے تھے۔

وہ سب بیر کی نیچے رک گئے تھے۔ ان میں سے کسی نے کہا تھا کہ بیر کھائے جائیں اور دوسروں نے اس پر صاف کیا تھا۔ بیر کافی جھکی ہوئی تھی اس لیے وہ کھڑے کھڑے بڑی آسانی سے بیر توڑ سکتے تھے۔ وہ بیر کھاتے رہے اور ان کی باتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ موضوع گفتگو پرمود اور اعجاز ہی تھے۔

”لیکن وہ دونوں جزیرے سے نکل کیسے سکتے ہیں، لائنوں پر تو ہم نے قبضہ کر لیا تھا“

”لیکن اگر وہ جزیرے پر ہوتے تو اب تک مل ہی جاتے“

”تو کیا انہوں نے سمندر میں کود کر خودکشی کر لی ہوگی۔“

”ممکن ہے وہ تیرتے ہوئے نکل گئے ہوں“

”یہاں سے بندرگاہ تک!“ بڑے طنزیہ لہجے میں کہا گیا

پھر ایک اور آدمی بولا ”اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ دونوں جزیرے سے نکل گئے ہیں تو پھر یہ بھی طے ہے کہ ماسٹر اسکاٹ کی رہائی مشکل ہو جائے گی“

”وہ کیوں۔“

”فیونا اور گرٹریس، ماسٹر اسکاٹ کی رہائی کے بارے میں گفتگو ہوئی تھی اور اس وقت میجر پرمودان کے ساتھ ہی تھا“

”سننا ہے ماسٹر اسکاٹ کو عدالت سے غائب کیا جائے گا“

”عدالت سے!“ تھیز زدہ لہجے میں کہا گیا

”ہاں! کل ہی تو ماسٹر اسکاٹ کو عدالت میں پیش کیا جا رہا ہے“

”لیکن عدالت سے غائب کرنا کیسے ممکن ہے۔ حفاظتی انتظامات تو وہاں بھی ہوں گے“

”اب جو کچھ بھی ہو لیکن میں نے یہی سنا ہے کہ انہیں جیل سے رہا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کی بہ نسبت عدالت میں یہ کام آسانی سے ہو سکے گا“

”خیر آسانی سے تو ہر گز نہیں ہو سکے گا“

”بہر حال کوئی نہ کوئی اسکیم بنائی جا چکی ہے اسی لیے گرٹریس کو بی گروپ میں منتقل کیا گیا ہے“

”گرٹریس میں ایسی کیا خاص بات ہے۔“

”کوئی بات تو ہوگی یہ منتقلی خواہنا نہیں ہو سکتی“

”جو بات بھی ہو وہ کل تک سامنے آ ہی جائے گی“

”میں نے یہ بھی سنا ہے کہ ماسٹر اسکاٹ کو رہا کر کے یہیں لایا جائے گا“

”یہاں۔ جزیرے پر۔“

”ہاں“

”تمہیں یہ ساری باتیں کہاں سے معلوم ہو گئیں۔“

”ہمارے گروپ کے انچارج کون ہے!“

”ہاں وہ تمہارا گہرا دوست ہے“

”بس تو پھر تم لوگوں کو میری معلومات پر حیرت نہیں ہونی چاہیے“

”لیکن ماسٹر اسکاٹ کو جزیرے پر کیوں لایا جائے گا۔“

”اگر اس کی کوئی خاص وجہ ہے تو مجھے اس کا علم نہیں“

”صرف یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ یہ ایک محفوظ ترین مقام ہے“

”لیکن اگر وہ دونوں شیطان یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو چکے ہیں تو پھر یہ جزیرے اب محفوظ نہیں رہ گیا“

”اسی خدشے کو مد نظر رکھتے ہوئے تو ریڈون نے جزیرے کی چاروں طرف حفاظتی نگرانی کا حکم دیا ہے“

”ریڈون اس کے سوا کربھی کیا سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جزیرے کو آسانی سے نہیں چھوڑا جاسکتا“

پرمود اور اعجاز جھاری کی اوٹ میں دم سادھے ان لوگوں کی باتیں سن رہے تھے۔ پرمود کی آنکھوں میں بڑی خوفناک سی چمک تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بر شیر اپنے شکار پر جھپٹ پڑنے کے لیے مضطرب ہو۔ اس کی انگلیاں بار بار کھلنے اور بند ہونے لگی تھیں۔ دشمن کو اتنا قریب دیکھ کر اس کی یہی حالت ہوتی تھی اس کا دل چاہتا تھا کہ دشمن کی تکا بوٹی کر کے رکھ دے لیکن بعض اوقات احتیاط کے تقاضے کچھ اور ہی ہوتے تھے۔ اس وقت بھی احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اپنے اوپر قابو پائے رکھے۔ ان لوگوں کی باتوں سے یہ بات صاف ظاہر ہو چکی تھی کہ اس جزیرے کو کسی خاص مقصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اب پرمود اس مقصد کو جاننے کے لیے بے چین ہو چکا تھا لہذا یہ بات از بس ضروری تھی کہ بہت خاموشی سے کام کیا جائے۔

اس کے علاوہ سچویشن بھی ایسی نہیں تھی کہ ان لوگوں پر کامیاب حملہ کیا جاسکتا۔ پرمود کے پاس اعجاز کا جور یوا اور تھا، اس میں صرف تین گولیاں تھیں۔ ان سے تین آدمیوں کو ہلاک کیا جاسکتا تھا لیکن تین آدمی پھر بھی بچ رہتے۔ ان میں سے دو پر اعجاز اور پرمود ٹوٹ پڑتے لیکن تیسرے کو اپنا ریوا اور استعمال کرنے کا موقع مل ہی جاتا۔ بہر حال پرمود کو خود پر قابو پائے رکھنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پارٹی وہاں سے چلی گئی اور جب ان کے قدموں کی آہٹیں بھی معدوم ہو گئیں تو اعجاز نے اطمینان کا سانس لیا۔

پرمود کے چہرے پر غور و فکر کے آثار صاف دیکھے جاسکتے تھے

”بال بال بچے ہیں اس وقت“ اعجاز بولا

”ان لوگوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔“

”رائے کیا مطلب۔“

”یہ لوگ ریڈ گلفین تو ہرگز نہیں تھے“

”اوہ جی ہاں، میں نے بھی ابھی یہی سوچا تھا کہ یہ لوگ قطعی طور پر مون لینڈ کے باشندے ہیں“

اعجاز نے کہا ”اب اس کے سوا اور کیا سوچا جاسکتا ہے کہ ریڈش جاسوسوں نے ان لوگوں کو آلہ کار بنالیا ہے“

”مجھے اس وقت چند ماہ قبل کے واقعات یاد آ رہے ہیں“

”کون سے واقعات۔“

”مون لینڈ میں ریڈش انقلاب لانے کی بڑی زبردست کوشش کی گئی تھی۔ صدر سلاں، ریڈش پارٹی کی انگلیوں پر ناپنے لگے تھے۔ اس وقت میں نے یہاں کے چند محب وطن فوجی جرنلوں کو اس انقلاب کے شعلوں کی لپیٹ میں آنے سے بچالیا تھا اور انہی جرنلوں نے ریڈش انقلاب کے پر نچے اڑا دیے تھے ورنہ مون لینڈ اس وقت ریڈ گلف کا اکھاڑ ہوتا“

”بڑی خونریزی ہوئی تھی یہاں!“

”ہاں، مقامی لوگوں کی بہت بڑی تعداد تھی، ریڈش پارٹی کے ساتھ! یہ وہ لوگ تھے جن کے اذہان پر ریڈش فلسفے کا تسلط ہو گیا تھا۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ یہ لوگ جو ابھی یہاں سے گئے ہیں، انہی لوگوں میں سے ہوں گے جو ریڈش ازم کے حامی ہیں“

”اور یہ بھی صاف ظاہر ہو چکا ہے کہ جزیرے پر وہ لوگ بڑی بھاری تعداد میں موجود ہیں“

”اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس جزیرے کو کسی خاص مقصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے، پرمود نے پر تفکر لہجے میں کہا۔

اعجاز ادھر ادھر دیکھتا جا رہا تھا۔ وہ چند لمحے بعد بولا ”اور یہ لوگ ڈیٹیل اسکاٹ کو بھی رہا کرانے والے ہیں۔ اگر ہم کسی طرح اس جزیرے سے نکل جاتے تو مون لینڈ کی حکومت کو خبردار کیا جاسکتا تھا۔ نہ جانے وہ اسے عدالت سے کس طرح اڑائیں گے“

”مجھے اس کی پروا نہیں ہے“ پرمود نے شانے جھٹک کر کہا ”میں تو اب اس جزیرے ہی پر رکنا پسند کروں گا“

”کیوں“ اعجاز نے استغابیہ لہجے میں کہا

”یہ معلوم کرنے کے لیے کہ یہ لوگ اس جزیرے سے کیا مقصد حاصل کر رہے ہیں“ پرمود نے جواب دیا۔

اعجاز کچھ سوچتا ہوا اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

پرمود بولا ”ویسے بھی فی الحال ہمارے لیے اس جزیرے سے نکلنا مشکل ہی ہوگا۔ تم ان لوگوں کی باتیں سن ہی چکے ہو۔ جزیرے کے گرد سخت نگرانی قائم کی جا چکی ہے“

”ہوں“ اعجاز سر ہلانے لگا

”اب بقیہ دن ہم اسی جنگل میں گزاریں گے۔ رات کو میں یہاں سے نکل کر جزیرے کا سروے کروں گا۔ دن کی روشنی میں یہ کام مشکل ہے۔“

”لیکن رات کو چاندنی ہوگی“

”وہ سورج کی روشنی سے زیادہ تیز نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ رات کے شروع حصے میں چاند نہیں نکلتا“

”تو کیا آپ تنہا....“

”ہاں، تم جنگل ہی میں رو گے۔“ پرمود نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

”لیکن“

”کچھ نہیں“ پرمود نے پھر اس کی بات کاٹ دی ”یہ کام بڑی خاموشی سے کرنا ہوگا اور جو کام خاموشی سے کرنا ہو اس کے لیے اکیلا ہی آدمی مناسب رہتا ہے“

اعجاز کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پرمود کے ساتھ رہنے کی شدید خواہش رکھتا ہو لیکن پرمود کا انداز حکمانہ تھا لہذا اس کے بعد اعجاز کے لیے کچھ بھی کہنے کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔

V v v V

میجر پرمود کو جزیرے میں بھٹکتے ہوئے دو ڈھائی گھنٹے گزر چکے تھے لیکن ابھی تک کسی آدمی کی شکل نہیں دکھائی دی تھی۔ سارا جزیرہ بھائیں بھائیں کر رہا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں پرمود کے سوا کوئی انسان نہ ہو۔

وہ چلتے چلتے دفعۃً ٹھٹھک کر رک گیا، اس نے کسی قسم کی آہٹ محسوس کی تھی۔ پھر دوسرے ہی ثانیے وہ اوندھے منہ لیٹ گیا، کان

زمین سے لگا دیے اور وہ دھک اسے صاف محسوس ہونے لگے جو آدمیوں ہی کے چلنے سے پیدا ہو سکتی تھی۔ چلنے والوں کی تعداد کے بارے میں صحیح اندازہ کرنا مشکل تھا لیکن وہ کم نہیں معلوم ہوتے تھے۔

پرمود چھپکلی کی طرح ریگنتا ہوا اس طرف بڑھنے لگا جدھر سے وہ آوازیں آرہی تھیں۔ اندازہ یہی تھا کہ وہ لوگ بیس پچیس گز کے فاصلے پر ہیں۔ اس کا یہ اندازہ درست ہی ثابت ہوا۔

اس نے ایک چٹان کے اوپر سے سر ابھارا تو وہ لوگ نظر آ گئے۔ ایک قطار تھی جو ساحل کی طرف چلی جا رہی تھی۔ ہر آدمی نے اپنے کندھے پر ایک بڑا سا بکس اٹھا رکھا تھا۔ ان لوگوں کی چال ظاہر کر رہی تھی کہ وہ بکس خالی نہیں ہیں۔ بیس کے قریب آدمی پرمود کے سامنے سے گزر گئے۔ آخری آدمی کے کندھے پر کوئی بکس نہیں تھا، البتہ ہاتھوں میں ایک اسٹین گن موجود تھی۔ وہ چونکنا نظر سے چاروں طرف دیکھتا جا رہا تھا۔

قدموں کی آوازیں بتدریج سنائے میں مدغم ہوتی چلی گئیں۔ پرمود نے ابھی تک اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی۔ اس کی عقابی نگاہ اس سمت میں جمی رہی جدھر سے وہ لوگ آئے تھے۔ آخر جب اسے یقین ہو گیا کہ اب ادھر سے کوئی نہیں آئے گا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دبے قدموں اس طرف بڑھنے لگا جدھر وہ لوگ گئے تھے۔

بکسوں میں کیا ہے۔ یہ سوال اس کے ذہن میں براہ گونج رہا تھا۔ قدموں کی آوازیں لحظہ بہ لحظہ قریب ہوتی چلی گئیں اور پرمود احتیاطاً پھر زمین پر لیٹ کر رہنے لگا۔ اسی طرح ریگنتے ہوئے اس نے تھوڑا سا چکر کاٹا اور اس قطار کے دائیں پہلو میں پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس طرف بھی ایک اسٹین گن بردار آدمی قطار کے ساتھ چل رہا ہے۔ پرمود تیزی سے ریگنتا ہوا آگے نکلا چلا گیا۔ وہ ان آدمیوں کی کل تعداد جاننا چاہتا تھا۔ قطار کے بالکل آگے بھی ایک اسٹین گن بردار آدمی موجود تھا، گویا تین آدمی اس قطار کے محافظ تھے۔ بکس اٹھائے ہوئے چلنے والوں کی تعداد باون تھی۔ پرمود رک گیا اور اندھیرے میں ایک طرف سمٹا ہوا اس قطار کو دیکھتا رہا۔ پھر جب قطار کا آخری آدمی بھی گزر گیا تو وہ دوبارہ ریگنتا شروع ہو گیا۔ اس وقت سردی اور نیند کے احساسات مٹ چکے تھے اور اس کی ساری توجہ ان لوگوں کی طرف تھی۔

اب سمندر کی بھری ہوئی لہروں کا شور صاف سنائی دینے لگا تھا۔ وہ ساحل کے قریب پہنچ گئے تھے۔ تمام بکس ایک طرف رکھ دیے گئے۔ اسٹین گن والوں میں سے ایک نے ٹارچ جلا کر اس کی سبز روشنی سمندر کی طرف بھینکی اور پھر بجھادی۔ چند ثانیے بعد پھر ٹارچ جلی اور بجھ گئی۔

پرمود سمجھ گیا کہ کسی کو سگنل دیا جا رہا ہے۔ ذرا ہی دیر بعد انجن کا دھیمادھیماسا شور سنائی دیا جو لحظہ بہ لحظہ قریب آتا جا رہا تھا۔ پھر ایک متحرک سایہ بھی نظر آیا جو سمندر کی تاریک لہروں پر ہلکورے سے لیتا ہوا قریب آتا جا رہا تھا۔

ایک کافی بڑی لائچ ساحل پر آ کر رکی اور انجن بند کر دیا گیا۔ فوراً ہی وہ تمام بکس لائچ پر پہنچا دیے گئے۔ پرمود اس وقت بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ ان بکسوں میں کیا ہے۔ گر وہ کسی طرح ان لوگوں کو نظر بچا کر اس لائچ پر سوار ہو جاتا تو اسے یہ معلوم کرنے میں کامیابی ہو سکتی تھی۔ علاوہ ازیں وہ اس جزیرے سے نکل جانے میں بھی کامیاب ہو جاتا۔ گو کہ اس طرح اعجاز جزیرے ہی پر رہ جاتا لیکن اسے وہاں سے نکال لے جانے کے لیے لائچ لے کر دوبارہ آیا جاسکتا تھا۔

پرمود تیزی سے ریگنتا ہوا ساحل کے اس حصے کی طرف بڑھا جو اس لائچ سے تیس چالیس فٹ کے فاصلے پر تھا۔ تاریکی اتنی گہری تھی کہ وہ

ان لوگوں کی نظروں میں نہیں آ سکتا تھا۔ ویسے بھی ان لوگوں کی توجہ اس وقت صرف لالچ کی طرف تھی۔ پرمود آہستگی سے پانی میں اتر گیا اور سردی کی ایک شدید لہر اس کے رگ و ریشے میں سرایت کر گئی۔ پانی برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔ اس نے غوطہ لگایا اور پانی کے اندر تیرتا ہوا اندازے سے اس طرف بڑھا جہاں لالچ کھڑی تھی۔

اس نے تیرتے ہوئے زیادہ تیزی نہیں دکھائی تھی کہ مبادا پانی میں ہلچل پیدا ہو تو وہ لوگ شہسے میں پڑ جائیں لیکن آہستہ آہستہ ہاتھ پیر چلانا اس کے لیے دوسرے اعتبار سے غلط ثابت ہوا۔ جب اس نے آہستگی سے اپنا سر پانی سے نکالا تو انجن چلنے کی آواز سنائی دی۔ لالچ حرکت میں آ چکی تھی۔ پرمود نے فوراً پھر غوطہ لگایا اور بڑی تیزی سے لالچ کی طرف جھپٹا مگر لالچ کی رفتار تیز ہو چکی تھی۔ وہ اسے پکڑنے میں ناکام رہا۔ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ واپس جزیرے پر پہنچ جائے۔

بکس لانے والے تمام آدمی ساحل سے لوٹ رہے تھے۔

پرمود نے جب سمندر سے نکل کر ساحل پر قدم رکھا تو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کی ہڈیوں کو بھی برف بنا دینے پر آمادہ ہو گئے۔ بھیگا ہوا جسم، بھیگا ہوا لباس اور ہوا کے سرد جھونکے! پرمود کا جسم کپکپا اٹھا اس نے فوراً اپنے کپڑے اتار ڈالے اور انہیں نچوڑنے لگا۔ کپڑے نچوڑ کر اس نے دوبارہ پہنے۔ گوکہ وہ اب بھی گیلے تھے لیکن تہہ نہ تھیں تھے۔

پرمود تیزی سے اس طرف چل پڑا جدھر وہ لوگ گئے تھے۔ گیلے لباس کی وجہ سے ہوا کے جھونکے اب بھی اس کی اچھی طرح مزاج پر سی کر رہے تھے لیکن اس نے اپنی رفتار کی تیزی برقرار رکھی ورنہ وہ ان لوگوں تک پہنچ ہی نہیں سکتا تھا۔

آخر کار اسے قدموں کی آہٹیں سنائی دینے لگیں۔ پھر وہ جلد ہی ان لوگوں کے قریب بھی پہنچ گیا اب وہ ایک قطار میں چلنے کی بجائے دو دو چار چار کی ٹولیاں بنائے ہوئے چل رہے تھے۔

تعاقب کا اختتام ایک غار پر ہوا۔ وہ سب یکے بعد دیگرے اس غار میں چلے گئے اور پھر سناٹا چھا گیا۔

پرمود ایک چٹان کی آڑ سے اس غار کی طرف دیکھتا ہوا سوچ رہا تھا کہ اندر جانا مناسب ہوگا یا نہیں۔ غار میں مکمل تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ کئی منٹ گزر جانے کے بعد بھی وہ تاریکی قائم رہی حالانکہ اندر پہنچنے کے بعد ان لوگوں کو روشنی کرنا چاہیے تھی۔ ایسا نہ ہونے کی وجہ سے پرمود یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ وہ غار دراصل کسی سرنگ کا دہانہ ہے، اسی قسم کی سرنگ جس سے پرمود اور اعجاز کا واسطہ پڑ چکا تھا۔

پرمود تیزی سے بڑھا، اسے اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ یہ غلطی ہی تھی کہ وہ وہاں رک گیا تھا اتنی دیر میں وہ لوگ نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچے ہوں لیکن پرمود کرتا بھی کیا۔ فوری طور پر یہ اندازہ لگانا مشکل ہی تھا کہ وہ کوئی غار ہے یا کسی سرنگ کا دہانہ! بہر حال اب وہ تیزی سے چلتا ہوا اس تاریک دہانے میں داخل ہو گیا۔

وہ سرنگ ہی تھی۔ وہ تیزی سے بڑھتا رہا۔ قدموں کی آہٹ سنائی نہیں دے رہی تھی۔ سرنگ زیادہ طویل نہیں ثابت ہوئی اور وہ جلد ہی اس سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان لوگوں کا کوئی پتا نہیں تھا۔ یہ اندازہ کرنا بھی ممکن نہیں تھا کہ یہاں سے وہ لوگ کس طرف گئے ہوں گے۔

V v v v

شروع شروع میں اس قسم کی خبریں سننے میں آ رہی تھیں کہ ڈیبل اسکاٹ پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا لیکن پھر اچانک یہ اعلان کر دیا گیا کہ چند وجوہ کی بناء پر یہ مقدمہ کھلی عدالت میں نہیں چلایا جاسکتا۔

آج اس تاریخی مقدمے کی سماعت تھی۔ عدالت سپریم کورٹ کی مکمل بنچ پر مشتمل تھی۔ وقت مقررہ پرنچ کے ممبران اپنی نشستوں پر پہنچ گئے۔

عدالت کے باہر بے پناہ ہجوم تھا۔ سینکڑوں افراد ریڈ گلف کے بدنام زمانہ جاسوس ڈیبل اسکاٹ کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے آئے تھے لیکن اسکاٹ کو نہ جانے کس طرح اور کس راہ سے عدالت میں پہنچایا گیا کہ لوگوں کو پتا ہی نہیں چل سکا۔ تمام جج نشستوں پر بیٹھ چکے تو جب ڈیبل اسکاٹ کو حاضر کرنے کا حکم دیا گیا۔

چند لمحوں بعد ڈیبل اسکاٹ ملازموں کے کٹہرے میں داخل ہوا۔ اس نے بڑی حقارت سے عدالت پر ایک نظر ڈالی اور سیدنا تان کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک مبہم سی لکیر کھینچی ہوئی تھی۔ اس کے انداز سے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی نظر میں عدالت کے تمام افراد کی اہمیت مسخرے بونوں سے زیادہ نہ ہو۔

ابتدائی ضابطے کی کاروائی کے بعد فرد جرم پڑھ کر سنائی گئی۔ اس دوران میں عدالت پر سناٹا چھایا رہا۔ اسکاٹ کا چہرہ اب پتھر کی طرف بے جان نظر آنے لگا تھا۔ کسی بھی قسم کا جذباتی اتار چڑھاؤ اس کے چہرے پر ناپید تھا لیکن اکلوتی آنکھ میں اضطراب کی جھلکیاں نظر آرہی تھیں۔ جب فرد جرم پڑھ کر سنائی جا چکی تو چند لمحے تک عدالت میں مکمل خاموشی چھائی رہی اور پھر اس خاموشی کو پریزائیڈنگ جج کی پاٹ دار آواز نے توڑا ”ملازم اسکاٹ! تم نے فرد جرم سن لی۔“

اس سے پہلے کہ ڈیبل اسکاٹ کچھ کہتا شیشے کی ایک چھوٹی سی گیند روشندان کی راہ سے کمرے میں داخل ہوئی اور فرش کے وسط میں گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

”یہ کیا“ پریزائیڈنگ جج کے منہ سے بے ساختہ نکلا

عدالت کا ہر فرد اپنی جگہ سے اونچا ہو کر اس طرف دیکھنے لگا جہاں شیشے کی کرچیں بکھری ہوئی تھیں۔

”دیکھو یہ کس نے پھینکا ہے“ پریزائیڈنگ جج نے ایک ملٹری آفیسر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

ملٹری آفیسر ایک اور آفیسر کو ساتھ لے کر دروازے کی طرف چھپٹا لیکن ابھی وہ دروازے سے دوڑھائی گز کے فاصلے پر تھا کہ لڑکھڑا گیا یہی حالت اس کے ساتھی کی ہوئی تھی پھر وہ دونوں ہی گر پڑے گر کر انہوں نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی لیکن پھر گر پڑے اور بے حس و حرکت ہو گئے۔

وکیل صفائی گرے شانے ساری عدالت پر نظر دوڑائی کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو اپنی اپنی جگہ پر لڑھک نہ گیا ہو۔ پریزائیڈنگ جج سے لے کر معمولی محافظ تک ساکت و صامت پڑے ہوئے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اچانک ملک الموت نے وہاں پہنچ کر بیک وقت ان سب کی روح قبض کر لی ہو۔

صرف گرے شاباتا بچا تھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر کسی دھات کی بنی ہوئی ایک ڈبیا نکالی اور اس کا ڈھکنا الگ کرتا ہوا ڈیبل اسکاٹ کے کٹہرے میں داخل ہو گیا۔ ڈیبل اسکاٹ نے خود یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اس کے مقدمے کی پیروی گرے شا کو کرنی چاہیے۔

ڈیبل اسکاٹ کی آنکھیں بند تھیں، دانت پر دانت سختی سے جھے ہوئے تھے اور وہ لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔

گرے شا اس پر جھک گیا۔ اس نے ڈبیا میں سے نکالی ہوئی ایک شیشی اسکاٹ کی ناک سے لگا دی۔ شیشی میں بنفشی رنگ کا کوئی گاڑھا سیال بھرا ہوا تھا جس سے پیپر منٹ کی سی مہک خارج ہو رہی تھی ایک منٹ تک وہ شیشی اسکاٹ کی ناک سے لگی رہی۔ گرے شا کی نظر گھڑی پر جمی ہوئی تھی لیکن چہرے سے کسی قسم کی بے اطمینانی نہیں ظاہر ہو رہی تھی۔

عدالت کے تمام افراد بدستور بیہوش پڑے ہوئے تھے۔ ایک منٹ گزرتے ہی اسٹاک کے پپٹوں میں جنبش ہونے لگی۔ اب گرے شا کی نظر کھڑکی سے ہٹ کر اس کے چہرے پر جم گئی تھی۔ چند ہی ثانیوں بعد اس نے آنکھ کھول دی اور پلکیں جھپکانے لگا۔

گرے شانے شیشی بند کر کے ڈبیا میں رکھ لی اور ڈبیا بند کرتے ہوئے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسکاٹ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا ”مجھے کیا ہو گیا تھا۔“

”آپ بے ہوش ہو گئے تھے مسٹر اسکاٹ!“

”اوہ!“ اسکاٹ نے عدالت پر ایک طائرانہ نظر ڈالی

”یہ سب بدستور بیہوش پڑے ہیں۔ اب آپ جلدی سے اس ملٹری آفیسر کی وردی پہن لیں اس کے بعد ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے“

”لیکن یہ سب ہوا کیسے۔“

”یہ تفصیلی باتیں ہیں مسٹر اسکاٹ! ہمیں پہلے یہاں سے نکلنے کی فکر کرنی چاہیے“

”اچھا“

”آپ جلدی سے ملٹری آفیسر کی وردی پہن لیں“

اسکاٹ نے دس منٹ کے اندر اندر ملٹری آفیسر کی وردی پہن لی۔

کمرہ عدالت کے باہر مسلح محافظ پر پہرا دے رہے تھے اور اب تک اس بات سے بے خبر تھے کہ اندر کیا ہو چکا ہے۔

دفعۃً عدالت کے دروازہ کھلا اور دو آدمی بے تحاشا چھینکتے ہوئے باہر آئے۔ چھینکتے وقت وہ جھک کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیتے تھے۔ آگے آگے گرے شا تھا جسے فوراً پہچان لیا گیا لیکن دوسرا آدمی اس کے پیچھے تھا۔ وہ اسکاٹ کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ وہ گرے شا سے زیادہ چھینک رہا تھا اور اس بہانے اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیتا تھا۔ اس کے جسم پر ملٹری آفیسر کی وردی تھی اس لیے کوئی بھی اس پر شک نہیں کر سکتا تھا۔

”دیکھو..... دیکھو..... اندر جاؤ“ گرے شا چھینکتا ہوا چیخا ”وہ سب بیہوش ہو گئے، سب بے ہوش ہو گئے آں چھیں“

تمام محافظ یہ سنتے ہی کمرہ عدالت کی طرف جھپٹے۔

وہاں انہوں نے جو کچھ دیکھا وہ انہیں حواس باختہ کرنے کے لیے کافی تھا۔

اس وقت گرے شا اور ڈیبل اسکاٹ ایک راہداری میں دوڑتے چلے جا رہے تھے۔ اسکاٹ نے اپنا ہاتھ اس طرح چہرے پر رکھ لیا تھا کہ دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ وہ کا نا ہے۔ اس کا آدھا چہرہ ہاتھ سے چھپا ہوا تھا۔ بظاہر یہ بات سمجھی جاسکتی تھی کہ اس کے چہرے پر کوئی چوٹ لگ گئی ہے۔

اخباری رپورٹروں سے بچنے کے لیے گرے شانے ایک ایسے راستے کا انتخاب کیا جو عام طور پر استعمال نہیں ہوتا تھا۔

اچانک عدالت میں ہر طرف سیٹیاں بجنے لگیں۔ غالباً ان لوگوں کو اسکاٹ کے غائب ہونے کا علم ہو چکا تھا لیکن اتنی دیر میں اسکاٹ اور گرے شا عدالت کی عمارت سے باہر پہنچ کر ایک چھوٹی سی تیز رفتار کار میں بیٹھ چکے تھے۔ انجن پہلے ہی سے اسٹارٹ تھا۔ ان کے پیچھے ہی کار حرکت میں آگئی اور سڑک پر برق رفتاری سے دوڑنے لگی۔ ڈیبل اسکاٹ کو رہا کرانے کا مشن کامیاب ہو چکا تھا۔

میجر پر مود اور اعجاز جزیرے میں بھٹکتے پھر رہے تھے لیکن ابھی تک انہیں کوئی آدمی دکھائی دیا تھا نہ کوئی اور خاص بات سامنے آئی تھی۔ وہ دونوں بھٹکتے بھٹکتے جھانکاتے جزیرے کے مشرقی ساحل کے قریب پہنچ گئے۔ چٹانوں سے سر پٹختی ہوئی لہروں کا شور صاف سنائی دینے لگا تھا اچانک اعجاز چونک کر بولا ”وہ دیکھیے“

پر مود کی نظر اس طرف اٹھ گئی جدھر اعجاز نے اشارہ کیا تھا۔ ایک بلند چٹان پر تین چار سائے حرکت کرتے نظر آ رہے تھے۔ پر مود چند لمحے کچھ سوچتا رہا، پھر بولا ”ادھر ہی نکل چلو“

وہ دونوں اس چٹان کے بہت قریب پہنچ گئے۔ سمندر کی لہروں کا شور صاف سنائی دینے لگا لیکن ان لوگوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

”ہمیں ان کے اور قریب پہنچنا ہوگا“ پر مود نے سرگوشی کی

”وہ..... ادھر..... اس طرف سے نکل چلو“

وہ دونوں نشیب میں تھے۔ پر مود نے جس طرف اشارہ کیا تھا وہاں جھاڑیوں کی بہتات تھی ان جھاڑیوں کی آڑ لے کر ان دونوں نے اوپر سر کننا شروع کیا۔ پر مود نے احتیاطاً ریوا لور ہاتھ میں لے لیا تھا۔

چٹان کا وہ حصہ بالکل مسطح تھا جہاں وہ چاروں آدمی کھڑے تھے۔ ان سے کچھ فاصلے پر چٹان میں جگہ جگہ ابھارتے۔ ایسے ہی ایک ابھار کی آڑ پر مود اور اعجاز نے لے لی۔ یہاں ان آدمیوں کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اس وقت ان چاروں میں کسی لڑکی کے بارے میں بحث چھڑی ہوئی تھی۔ اس لڑکی کا تعلق انہی کے گروہ سے تھا۔ تین آدمی یہ خیال ظاہر کر رہے تھے کہ وہ لڑکی بہت مغرور ہے اس لیے ریڈون بھی اس پر ہاتھ صاف نہیں کر سکتا لیکن چوتھا آدمی دعویٰ کر رہا تھا کہ اگر وہ چاہے تو اس لڑکی کو با آسانی اپنے دام میں پھنسا سکتا ہے۔ وہ اس معاملے میں شرط لگانے کے لیے بھی تیار تھا۔

مگر ان لوگوں نے شرط لگائی نہ کوئی اور نتیجہ نکلا۔ خوا منواہ کی باتوں میں آدھا گھنٹہ گزر گیا۔
پر مود کو بڑی کوفت ہو رہی تھی لیکن وہ صبر کیے بیٹھا رہا۔ وہ اور اعجاز منہ سے سانس لے رہے تھے تاکہ سانس لینے کی آوازیں بھی ان لوگوں تک نہ پہنچ سکے۔

وہ بحث کسی نتیجے کے بغیر ختم ہو گئی اور پھر ان میں سے ایک آدمی بولا ”اچھا ابھی اب ذرا ایک راؤنڈ لگا لیا جائے“

پھر ایک آدمی تو وہیں رک گیا تھا اور باقی تینوں مغربی نشیب میں اترتے چلے گئے تھے۔

اعجاز نے ایسی نظر سے پر مود کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔ یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا میجر! لیکن اسی وقت میجر صاحب نے ایسی حرکت کی کہ اعجاز بری طرح بوکھلا گیا۔

”اسلحہ“ پر مود نے بڑی تیز قسم کی سرگوشی کی تھی

یقینی تھا کہ وہ سرگوشی اس نے آدمی کے کانوں تک پہنچ جاتی جو اس چٹان پر رک گیا تھا اور ہوا بھی یہی۔ وہ آدمی چونک پڑا۔ اس نے اپنی رائفل سیدھی کر لی اور چونکنا نگاہ سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ غالباً وہ آوازیں سمیت کا اندازہ نہیں کر سکا تھا۔

اعجاز نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا اور پر مود نے اس کا شانہ دبا دیا۔ اگر تاریکی نہ ہوتی تو اعجاز دیکھتا کہ اس وقت پر مود کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک عجیب سے لکیر کھینچی ہوئی تھی اور آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہو گیا تھا۔

دفعۃً اس آدمی نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے ان ساتھیوں کو آوازیں دینا شروع کر دیں جو نشیب میں گئے تھے۔

وہ لوگ فوراً دوڑتے ہوئے واپس آ گئے

”کیا ہوا۔“ ان میں سے کوئی بولا

”یہاں..... یہاں..... یہاں کوئی ہے“ وہ گھبرائے ہوئے انداز میں بولا

”کیسے معلوم ہوا تم کو“ حیرت سے کہا گیا

”ابھی کسی نے بڑی تیز سرگوشی کرتے ہوئے ایک لفظ کہا تھا

”کیا لفظ۔“

”اسلحہ“

”اسلحہ۔“ بڑی حیرت سے دہرایا گیا

”ہاں“

”تمہارے کان بجے ہوں گے“

”میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آواز سنی تھی“ وہ آدمی بڑے جوش و خروش سے بولا ”اگر میرے کان بجے ہوتے تو میں کچھ اور

بھی سنتا۔ صرف یہی ایک لفظ کیوں سنائی دیا مجھے“

”اس لیے کہ شاید تم اس وقت اسلحہ ساز فیکٹری کے بارے میں سوچ رہے ہو گے جو ہم لوگوں نے یہاں قائم کر رکھی ہے“

”ہرگز نہیں“ میں اس کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا

”تو پھر اسلحہ ساز فیکٹری کا خیال تمہارے لاشعور میں ہوگا“

”تم ہر وقت اپنی نفسیات کیوں لے دوڑتے ہو“ وہ گبڑ کر بولا

اور وہ تینوں پھر ہنسنے لگے۔ ان میں سے ایک نے ہنسنے ہوئے کہا ”اچھا تو پھر تمہارا کیا خیال ہے، وہ سرگوشی کیا کسی روح نے کی ہوگی“

”میجر پر مود اور اس کا ساتھی ہمارے ہاتھ نہیں لگ سکے ہیں“

”اچھا چلو، اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ وہ سرگوشی میجر پر مود یا اس کے ساتھی نے کی ہوگی تو پھر اس بات پر بھی یقین کرنا پڑے گا کہ ان کا

دماغ خراب ہو گیا ہے۔ بھلا کیا ضرورت تھی انہیں یہ سرگوشی کرنے کی۔ نہیں دوست! ضرورت وہم میں پڑ گئے ہو۔ اطمینان سے ڈیوٹی دو اور ہمیں

گشت پر جانے دو“

اسی وقت پر مود نے اعجاز کا شانہ دبا کر واپسی کا اشارہ کیا۔ اس وقت چاند نے افق سے سرا بھارنا شروع کر دیا تھا۔ جزیرے کی

تاریکی آہستہ آہستہ چھٹی چلی گئی۔ پر مود اور اعجاز اس چٹان سے دور نکل گئے تو اعجاز نے بڑے جوشیلے انداز میں کہا ”آپ نے کمال کر دیا میجر“

”وہ ایک نفسیاتی حربہ تھا“ پر مود نے مسکرا کر کہا ”مجھے یقین تھا کہ وہ بوکھلا کر اپنے ساتھیوں کو آوازیں دینا شروع کر دے گا جو اس

وقت تک زیادہ دو نہیں گئے تھے۔ پھر ان لوگوں میں جو باتیں ہوں گی وہ بھی اسلحے سے متعلق ہوں گی۔

”یہ تو اب بھی نہیں معلوم ہوا کہ وہ فیکٹری ہے کس جگہ“

”اس کے وجود کا یقین آجانا بھی ایک اہم کامیابی ہے۔ اب ہم اس غار کی طرف چلیں گے جہاں وہ ٹرانسمیٹر ہے۔ ضروری ہے کہ

عارف بٹ کو اس بات سے آگاہ کر دیا جائے۔ پھر اگر وہ کسی طرح مون لینڈ کی سرکاری مشینری کو اس بات کا یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ اس

جزیرے پر ریڈیو ایجنٹوں نے اسلحہ ساز فیکٹری قائم کر رکھی ہے تو پھر ہمیں مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

رات اپنے تیسرے پہر میں داخل ہو رہی تھی جب میجر پر مود اور اعجاز اس غارتگ میں کامیاب ہو گئے غار کے دہانے پر دو آدمی پہرہ دے رہے تھے اور ان کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں۔ پر مود اور اعجاز کچھ ہی فاصلے پر ایک گھنی جھاڑی کی اوٹ سے ماحول کا جائزہ لے رہے تھے۔

اعجاز نے دھیمی سی سرگوشی کی ”اگر صرف یہی دونوں ہیں تو ان کا بندوبست آسانی سے ہو سکتا ہے“

”میرا خیال ہے کہ غار کے اندر بھی کچھ لوگ ہوں گے۔ روشنی تو ہو رہی ہے“

”کیا خیال ہے اگر ہم دوسرے دہانے کی طرف چلیں۔“

”جدھر سے بھاگے تھے۔“

”ہاں“

”ادھر بھی حفاظت کا انتہائی انتظام ہوگا جتنا یہاں ہے“ پر مود نے کہا ”پھر خواہو اتنا چکر کیوں کاٹا جائے“

”گویا ہمیں ادھر ہی سے داخل ہونا ہے“

”قطعاً“ پر مود نے کہا ”بس اب یہ سوچنا ہے کہ طریقہ کار کیا ہو“

”ریوالور کا استعمال تو مناسب نہیں ہوگا“

”ظاہر ہے“ پر مود نے کہا ”سائیلنسر ہوتا تو دوسری بات تھی۔ ان دونوں کو بڑی آسانی سے ختم کیا جاسکتا تھا لیکن مسئلہ ہے اندر والے آدمیوں کا، اگر وہ قبل از وقت ہوشیار ہو گئے تو بات نہیں بن سکے گی“

”تو پھر دائیں بائیں ہو کر حملہ کیا جائے“

”ان کے منہ سے کراہ بھی نہیں نکلنا چاہیے“

اعجاز نے اس طرح سر ہلادیا جیسے اسے تجویزیشن کی نزاکت کا پورا پورا احساس ہو۔

پر مود نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا ”اس وقت تین بج کر سات منٹ ہیں۔ تم اپنی گھڑی میری گھڑی سے ملاؤ۔ ٹھیک پانچ منٹ بعد حملہ ہونا چاہیے۔ اگر ہم دونوں نے بیک وقت حملہ نہ کیا تو جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ ان لوگوں کے پاس اسٹین گنیں ہیں۔“

اعجاز نے پھر افہامی انداز میں سر ہلایا اور اپنی گھڑی پر مود کی گھڑی سے ملالی۔ اب دونوں گھڑیوں میں ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہ تھا۔

”ٹھیک پانچ منٹ بعد“ پر مود نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد وہ ایک دوسرے سے جدا ہو کر مخالف سمتوں میں ریگلتے چلے گئے۔

غار کے دہانے پر تعینات دونوں پہریدار مستقبل قریب میں پیش آنے والی صورت حال سے بے خبر آہستہ آہستہ پس میں ہاتھیں کر رہے تھے۔ ان کا موضوع گفتگو ڈیٹیل اسکاٹ کی سفاکانہ فطرت تھی۔ غالباً وہ آج ہی ان لوگوں میں سے کسی کو سزا دے چکا تھا۔

پر مود نے ریگلتے ہوئے نصف دائرہ بنایا اور پہریداروں کے بائیں پہلو میں پہنچ گیا۔ یہاں چٹان پر کوبان کی طرح کا ایک ابھار تھا۔ پر مود کو اس کی آڑ مل گئی تھی۔ اس نے اپنی گھڑی دیکھی۔ تین منٹ گزر چکے تھے۔ دو منٹ بعد پروگرام پر عمل کرنا تھا۔

پہریداروں کے دائیں پہلو پر چند منٹ دور ایک گڑھا سا تھا جہاں اعجاز کو چھپنے کی سہولت حاصل تھی۔

پر مود یہ نہیں دیکھ سکا کہ اعجاز وہاں پہنچ چکا ہے یا نہیں۔ اگر ابھی چاند طلوع نہ ہوتا تو ان پہریداروں کو ٹھکانے لگانے کا کام بڑی آسانی سے ہو جاتا اب ذرا خطرناک صورت حال تھی چاندنی میں پہریدار فوراً ہوشیار ہو جاتے اس لیے بڑی چابکدستی اور برقی سرعت سے حملہ کرنے کی ضرورت تھی۔

پرمود نے پہریداروں کی دوسری طرف نظر دوڑائی لیکن اعجاز اود کیکنے میں ناکام رہا اعجاز یقیناً بہت محتاط تھا۔ اگر پرمود اسے دیکھ لیتا تو پھر پہریداروں کی نظریں بھی اس پر پڑ سکتی تھیں۔

معینہ وقت میں اب آدھا منٹ باقی رہ گیا تھا

پھر وہ بھی گزر گیا اور پرمود نے کسی چپیتے کی طرح زقند بھری۔ پہریداروں کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے کوئی مافوق الفطرت ہستی آسمان سے کود پڑی ہو۔ وہ بوکھلا سا گئے۔ دوسرے ہی ثانیے ان میں سے ایک کی گردن پرمود کے فولادی بازو میں جکڑی ہوئی تھی۔ دوسرا پہریدار اعجاز کے شکنجے میں جکڑا ہوا نظر آ رہا تھا بلاشبہ اس وقت اعجاز نے بھی بڑی پھرتی دکھائی تھی، غضب کی پھرتی! دونوں پہریداروں کے ہاتھوں سے اسٹین گنیں چھوٹ کر چٹان پر گریں۔ ان کے گرنے سے اچھی خاصی آواز پیدا ہوئی تھی۔ پرمود نے زبردست جھٹکا دے کر پہریدار کی گردن توڑ دی۔ وہ بدنصیب ذرا بھی آواز کیے بغیر راہی ملک عدم ہوا اور پرمود نے اس کی لاش چٹان پر ڈال دی۔ دوسری طرف اعجاز نے اپنے شکار کے سینے میں چاقو اتار دیا تھا۔ پہریدار زنج ہوتے مکرے کی طرح تڑپا لیکن گرفت سے نہیں نکل سکا۔ اعجاز نے ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبا رکھا تھا کہ وہ چیخ نہ سکے۔

پرمود نے ایک اسٹین گن اٹھالی۔ ٹھیک اسی وقت غار سے تین آدمی نکلتے دکھائی دیے۔ نہ جانے وہ اسٹین گنوں کے گرنے کی آواز سن کر باہر آئے تھے یا انہیں کسی اور وجہ سے باہر آنا ہی تھا۔ وجہ کچھ بھی رہی ہو، ان کی غیر متوقع آمد پرمود اور اعجاز کے لیے نیک شگون نہیں تھی۔ ان دونوں کو دیکھتے ہی وہ لوگ چونکے اور پھر ان تینوں نے بیک وقت اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ پرمود اور اعجاز کو چاکلیٹ کا تحفہ نہیں دینا چاہتے ہوں گے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالنے کا مقصد ریوالور نکالنا ہی ہو سکتا تھا۔

”خبردار، ہینڈز آپ“ پرمود گرجا

لیکن وہ تینوں اپنے ریوالور نکال چکے تھے۔ انہوں نے بڑی پھرتی سے پلٹ کر غار میں داخل ہو جانا چاہا لیکن ان کا یہ اقدام اجل کو براہ راست دعوت دینے کے مترادف تھا۔ پرمود انہیں پوزیشن لینے کی مہلت کیسے دے سکتا تھا۔

اسٹین گن نے شعلوں کی بوچھاری کردی اور غار کے دہانے پر ان تینوں آدمیوں کی لاشیں تڑپتی نظر آئیں۔ پرمود نے جست لگائی اور پھر دوسری جست میں وہ ان لاشوں کے اوپر سے گزرتا ہوا غار میں پہنچ گیا۔ اسٹین گن نے کچھ اور شعلے اگل دیے۔ دراصل پرمود نہیں چاہتا تھا کہ غار میں جو لوگ ہوں، انہیں سنہلنے کا موقع مل سکے۔ اس سے پہلے کہ وہ سنہلنے پرمود کو بھون ڈالنا چاہتا تھا لیکن غار میں داخل ہوتے ہی اسے احساس ہو گیا کہ اس نے کچھ گولیاں ضائع کر دی ہیں کیونکہ غار میں اور کوئی نہیں تھا۔

”اعجاز“ پرمود نے پلٹ کر اسے پکارا

اعجاز لپکتا ہوا غار میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں بھی اسٹین گن تھی۔

”یہ بہت برا ہوا فارنگ کی آواز بہت دور تک پھیلی ہوگی“ اعجاز نے تشویشناک لہجے میں کہا

”جو ہو گیا اس پر پچھتتا نے میں وقت ضائع کرنا حماقت ہے۔ تم فوراً غار ف بٹ سے رابطہ قائم کرو“ پرمود نے کہا۔

غار میں وہ ٹرانسمیٹر اب بھی موجود تھا۔ اعجاز لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا اور اپنے مرکز سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔ پرمود ایسی پوزیشن میں کھڑا ہو گیا کہ بیرونی دہانے پر بھی نظر رکھ سکے اور اس طرف بھی جہاں سے سرنگ کا آغاز ہوتا تھا۔ بیرونی دہانے کی طرف سے کسی کے آنے کی امید کم ہی تھی۔ اس کے برعکس سرنگ کی طرف سے حملے کا امکان قوی تھا۔ توقع کے مطابق غار کی حفاظت کے لیے اس طرف بھی کچھ آدمی ہونا ہی چاہیے تھے۔ پرمود کی آنکھوں میں اس وقت وحشیانہ سی چمک دکھائی دے رہی تھی اور ہونٹوں پر مچلتی ہوئی مسکراہٹ میں بڑا اعتماد تھا۔ اس وقت اگر فوج کی ایک کمپنی بھی اس زون میں لے لیتی تو وہ قطعی بدحواس نہ ہوتا۔ اسٹین گن کی موجودگی میں وہ اپنے آپ کو اتنا ہی طاقتور اور محفوظ سمجھ رہا تھا۔ اعجاز نے ٹرانسمیٹر پر گفتگو شروع کر دی وہ رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کی کامیابی کو دیکھ کر

پرمود کی آنکھوں کی چمک اور بڑھ گئی لیکن ابھی اعجاز کو گفتگو شروع کیے چند لمحے گزرے ہوں گے کہ جوتوں کی دھمک سے سرنگ گونجنے لگی آنے والوں کی تعداد چار پانچ سے کم نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اعجاز چونکا اور اس کے جسم نے مضطربانہ حرکت کی۔

”تم اپنی بات ختم کرو اعجاز“ پرمود نے کہا اور جست لگا کر سرنگ کے دہانے پر پہنچ گیا۔

دوسرے ہی ثانیے اسٹین گن نے سرنگ میں موت کا بازار گرم کر دیا۔ کئی چیخیں سنائی دیں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز یکلخت رک گئی۔ پھر دوسری طرف سے بھی کسی اسٹین گن نے گرجنا شروع کر دیا۔ پرمود نے خود کو بڑی پھرتی سے ایک طرف سمیٹ نہ لیا ہوتا تو گولیوں کی بوچھاڑ اس کا جسم چھلنی کر جاتی اب وہ آڑ میں تھا۔ وہیں سے وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد سرنگ میں گولیاں برساتا رہا سرنگ کے اندر سے بھی اسٹین گن کا فائر جاری تھا۔

اعجاز نے گفتگو ختم کر کے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کیا اور اسٹین گن سنبھالے پرمود کے قریب پہنچ گیا۔

”رپورٹ دے دی۔“ پرمود نے اس سے پوچھا

”جی ہاں! اتفاق سے عارف بٹ اس وقت خود موجود تھے، مرکز پر!“ انہی سے گفتگو ہوئی ہے میری“

”بس تو اب نکل چلو یہاں سے“

پرمود نے اسٹین گن کا ایک طویل برسٹ مارا اور پھر اعجاز کے ساتھ تیزی سے چلتا ہوا غار سے نکل گیا۔ سرنگ میں اسٹین گن بدستور گرج رہی تھی۔ پرمود اور اعجاز نے جنگل کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ جنگل ہی تو اب تک ان کے لیے بہترین پناہ گاہ ثابت ہوتا رہا تھا۔

”اب ایک بار پھر ہماری تلاش میں سارے جزیرے کو کھنگالا جائے گا“ پرمود نے دوڑتے ہوئے کہا

اعجاز کچھ نہ بولا شاید اتنی تیز دوڑتے ہوئے بولنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔

رات کی تاریکی افق پر پھوٹی ہوئے اجالے سے دست و گریباں ہو رہی تھی جب وہ دونوں اس جنگل میں داخل ہوئے۔

<http://www.kitaabghar.com>

V v v V

سورج مشرق سے ابھرا اور نصف النہار پر پہنچا، پھر مغرب میں ڈھلنے لگا سائے بڑھتے رہے اور بڑھتے بڑھتے رات کی تاریکیوں سے

الجنے لگے۔

سارا جزیرہ ان پرندوں کی آوازوں سے گونجنے لگا جو رین بسیرا کرنے کے لیے اپنے آشیانوں کی طرف لوٹے تھے دھیرے

دھیرے وہ شور بھی سکوت میں ڈوب گیا اور کالی رات جزیرے پر چھا گئی حشرات الارض کی سیٹیاں گونجنے لگیں۔

دس بجے کے قریب ایک غار میں ریڈ پول کا درندہ صفت جاسوس ڈیبل اسکاٹ دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے کسی دیو کی طرح تنا ہوا کھڑا

تھا۔ اس کی گھورتی ہوئی آنکھ ان دونوں آدمیوں پر جمی ہوئی تھی جن کے ہاتھ ان کی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

وہ دونوں جوان العمر تھے۔ ان کے جسموں پر خاکی پتلونیں اور چمڑے کی جیکٹیں تھیں۔ ان دونوں کو جزیرے کے جنوبی ساحل کے

قریب اس وقت پکڑا گیا تھا جب وہ اپنی لالچ سے اتر کر جزیرے کے قلب کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شاید جزیرے پر ان دونوں کی آمد کا علم کسی کونہ

ہوتا لیکن گزشتہ کئی راتوں سے جزیرے والے بہت چوکنا تھے۔ پرمود اور اعجاز کی وجہ سے انہیں بہت اٹینشن رہنا پڑا تھا۔ ساحلی حصوں میں کئی کئی

آدمیوں کے گروپ تعینات تھے۔ ان کے علاوہ جزیرے والوں کی کافی لالچیں جزیرے کے گرد چکر لگا رہی تھیں۔

تقریباً ناممکن ہی تھا کہ کوئی شخص ان کی نظروں میں آئے بغیر جزیرے پر قدم رکھ سکتا یا جزیرے سے جاسکتا چنانچہ ان دونوں آدمیوں کی

لانچ جب جزیرے کے قریب پہنچی تھی تو اسے دیکھ لیا گیا تھا۔ پھر جب وہ دونوں جزیرے پر اترے تو چار آدمی سائے کی طرح ان کے تعاقب میں لگے ہوئے تھے۔ جب ان دونوں کی پراسرار نقل و حرکت سے اس بات کا یقین کر لیا گیا کہ وہ کسی خاص مقصد سے جزیرے پر آئے ہیں تو ان کو گھیر کر پکڑ لیا گیا۔ ان دونوں کے پاس سے ایک ایک ریوالور، کچھ فالتو راؤنڈز اور ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر برآمد ہوا تھا

ان سے آدھے گھنٹے تک پوچھ گچھ ہوتی رہی مگر انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔ بتانا تو دور کی بات ہے ان کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ گونگے ہوں۔ ڈیبل اسکاٹ کو ان دونوں کے بارے میں علم ہو چکا تھا چنانچہ اس نے ان دونوں کو اپنے سامنے طلب کیا۔ وہ ان دونوں کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو لیکن وہ دونوں اس کے لیے اجنبی ہی تھے۔

”ہاؤم“ اسکاٹ غرایا ”تو تم دونوں کچھ بتانے پر آمادہ نہیں ہو“

وہ دونوں ٹکر ٹکر اس کا منہ تکتے رہے۔ یوں معلوم ہوا جیسے وہ زبان ان کے لیے اجنبی ہو حالانکہ اسکاٹ ریڈش زبان نہیں، کرازلین بولا تھا۔ کرازلین جو بین الاقوامی حیثیت رکھتی تھی۔

غار میں اسکاٹ اور ان دونوں قیدیوں کے علاوہ تین آدمی اور تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور تھا جس کی نال ان قیدیوں کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

ان دنوں کی خاموشی سے اسکاٹ جھلا گیا اور غراتا ہوا بولا

”اگر تم دونوں زبان نہیں کھولو گے تو تمہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے“

وہ دونوں اب بھی خاموش رہے اور اس طرح ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھ رہے ہوں کہ یہ شخص کیا بک رہا ہے۔

اسکاٹ کو یوں لگا جیسے دونوں قیدی اسے بیوقوف سمجھ رہے ہو۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ گرج کر بولا ”تم دونوں کے انداز سے میں اس بات پر ہرگز یقین نہیں کر سکتا کہ تم کرازلین نہیں جانتے“

وہ دونوں اب بھی خاموش رہے اور اسکاٹ کے اندازے یوں معلوم ہونے لگا جیسے وہ بھوکے بھیڑیے کی طرح ان دونوں پر ٹوٹ پڑے گا اور اپنے دانتوں سے ان کی ہڈی بوٹی کر ڈالے گا

”باہر لے چلو انہیں“ وہ دانت پیس کر بولا

وہ تینوں آدمی جن میں سے ایک کے پاس ریوالور تھا آگے آئے اور قیدیوں کو دھکیلتے ہوئے باہر کی طرف لے چلے۔

”ایک آدمی دوریاں لے کر آئے“ اسکاٹ نے تحکمانہ لہجے میں کہا

ان تینوں میں سے ایک کسی طرف چلا گیا۔

غار سے نکل کر کچھ دور چلنے کے بعد وہ لوگ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں کئی تناور درخت تھے۔ ادھر ادھر جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں جن میں حشرات الارض کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

دوریاں فوراً ہی آگئیں اور اسکاٹ نے ٹارچ کی روشنی قیدیوں پر ڈالتے ہوئے کہا ”تم دونوں کو پھانسی دے دی جائے گی“

ان دونوں کے چہرے زرد نظر آنے لگے۔ نہ جانے وہ خائف ہو گئے تھے یا وہ زردی ٹارچ کی روشنی سے پیدا ہوئی تھی۔

اسکاٹ کے اشارے پر دونوں رسیاں ایک درخت کی سب سے اونچی اور مضبوط شاخ سے باندھ دی گئیں اور پھر ان کے لٹکے ہوئے سروں پر پھندے لگائے گئے۔ دونوں قیدی خاموشی سے یہ سب تیاریاں دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے ایک بار اس طرح آسمان کی طرف دیکھا جیسے اس برے وقت میں خدا کو پکار رہے ہوں۔

اسکاٹ کے حکم پر دو پیسے لاکر درخت کے نیچے رکھ دیے گئے اور پھر قیدیوں سے کہا گیا کہ وہ ان پیسوں پر کھڑے ہو جائیں۔

دونوں قیدیوں نے اچانک بھاگنے کی کوشش کی مگر کئی آدمیوں نے انہیں جکڑ لیا۔ وہ دونوں اس کے بعد بھی جدوجہد کرتے رہے مگر ان کی ایک نہ چلی۔ ویسے بھی ان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ انہیں گھسیٹ گھساٹ کر درخت کے نیچے لایا گیا اور رسیوں کے پھندے ان کے گلوں میں ڈال دیے گئے۔

اب وہ دونوں پیسوں پر کھڑے تھے۔ اسکاٹ کے آدمی ان سے الگ ہو چکے تھے لیکن اب پوزیشن یہ تھی کہ اگر وہ بھاگنے کی کوشش کرتے تو پیسے ان کے پیروں کے نیچے سے نکل جاتے اور ان کی گردنیں پھندوں میں پھنس جاتیں۔ ان دونوں نے ایک بار پھر آسمان کی طرف دیکھا اور اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگے۔

”آخری مرتبہ سوال کر رہا ہوں، اسکاٹ انہیں گھورتا ہوا غرایا ”اگر اپنی جان عزیز ہو تو بتا دو کہ تم دونوں کون ہو اور جزیرے پر کیوں آئے تھے۔“

ان دونوں نے سختی سے دانت پر دانت جھالیے۔

”پیسے ہٹالو، اسکاٹ نے جھلا کر اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔

دو آدمی بڑھے اور انہوں نے پیسے گھسیٹ لیے۔ دونوں قیدیوں کے جسم رسیوں میں جھول گئے۔

V v v V

میجر پر مود اور اعجاز اس رات بھی جزیرے میں بھٹکے پھر رہے تھے۔ اب انہیں زمین دوز اسلحہ ساز فیکٹری میں داخلے کے راستے کی تلاش تھی۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مون لینڈ انٹیلی جنس نے اب تک اس جزیرے کے سلسلے میں کوئی ایکشن کیوں نہیں لیا،“ اعجاز بڑبڑایا

”ہوسکتا ہے کہ عارف بٹ ان لوگوں کو اس بات کا یقین دلانے میں کامیاب نہ رہا ہو کہ اس جزیرے پر اسلحہ ساز فیکٹری قائم ہے،“ پر مود

نے کہا

”اگر ان لوگوں کو یقین نہ آیا ہو تو بھی انہیں تفتیش کرنا ہی چاہیے تھی۔ اس قسم کی اطلاع کو قطعی طور پر تو نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ اگر ڈائریکٹ ایکشن نہ لینا ہو تو چھان بین کی جاتی ہے۔“

”ہوسکتا ہے چھان بین کا آغاز ہو چکا ہو۔ ہمارے پاس معلومات کے ذرائع کہاں ہیں جو ہمیں علم ہو جاتا“

”یہ بھی ٹھیک ہے“ اعجاز نے ٹھنڈا سانس لیا

”میرا خیال ہے کہ ہمیں بالکل خاموشی سے چلنا چاہیے۔ نہ جانے کہاں دشمن سے مدد بھیڑ ہو جائے“

اعجاز نے افہامی انداز میں سر ہلا دیا اور خاموش رہا

آج کا سارا دن انہوں نے جنگل میں گزارا تھا اور اس بات سے باخبر رہے تھے کہ ان کی تلاش میں جنگل کا ایک ایک گوشہ کھنگالا جا رہا ہے۔ وہ ہر قسم کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار رہے تھے لیکن خوش قسمتی سے انہیں کسی بھی خطرے کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا مگر دشمن کی اس مہم کی وجہ سے انہیں آج دن بھر بھوکا رہنا پڑا تھا۔ اگر وہ خرگوش کا شکار کرتے اور اس کا گوشت بھوننے کے لیے درخت سے اترتے تو ان کا پکڑا جانا یقینی تھا پھر شام کے قریب یہ بات محسوس ہوئی تھی کہ وہ لوگ جنگل سے جا چکے ہیں لیکن اندھیرے میں خرگوش کا شکار کرنا مشکل تھا۔ اس

کے علاوہ آگ جلاتے تو اندھیرے میں اس کی روشنی کافی دور سے بھی دیکھی جاسکتی تھی بہر حال آج انہیں بھوکا رہنا پڑا تھا۔ صرف ان کی پیاس بجھتی رہی تھی کیونکہ جنگلی پھلوں کا انہوں نے کافی اسٹاک کر لیا تھا۔ وہ کڑوے پھل کھاتے کھاتے اعجاز تو میزار ہو چکا تھا لیکن مرتا کیا نہ کرتا کی مصداق بھگتنا ہی پڑ رہا تھا پھر اندھیرا پھیلنے ہی وہ جنگل سے نکل پڑے تھے اور اب ادھر ادھر بھٹکتے پھر رہے تھے۔ اسٹین گنیں دونوں کے ہاتھوں میں موجود تھیں۔

بھٹکتے بھٹکتے وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں ایک ہیلی کوپٹر کھڑا تھا۔ اس کے قریب ہی چار پانچ آدمیوں کی ایک ٹولی کھڑی تھی۔ غالباً یہ لوگ ہیلی کوپٹر کے محافظ تھے۔ پر مود اور اعجاز نے استعجابیہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ وہ ایک چٹان کی اوٹ میں تھے اور اس بات کا امکان بہت کم تھا کہ دشمن انہیں دیکھ لیتا۔ جزیرے پر اس ہیلی کوپٹر کی موجودگی معنی خیز تھی۔

بجلی کی طرح یہ خیال پر مود کے ذہن میں ابھرا کہ اس ہیلی کوپٹر میں بیٹھ کر جزیرے سے فرار ہو جانا کوئی مشکل کام نہیں۔ ان پانچوں آدمیوں کو بڑی آسانی سے ٹھکانے لگایا جاسکتا تھا جو اس ہیلی کوپٹر کے محافظ تھے۔ اسٹین گن ان سب کو ایک پل میں بھون کر رکھ دیتی۔

گوکہ اسٹین گن کے فائر کی آواز کافی دور تک پھیلتی اور جزیرے کے دوسرے لوگ اس طرف متوجہ ہو جاتے لیکن جتنی دیر میں وہ یہاں پہنچتے اتنی دیر میں پر مود اور اعجاز ہیلی کوپٹر میں بیٹھ کر اڑ چکے ہوتے۔

وہ پانچوں آدمی خطرے سے بے نیاز آپس میں باتیں کر رہے تھے

”ماسٹر کہاں رہ گئے“ ایک آدمی اچانک اپنی گھڑی دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

”وہ ان دونوں آدمیوں کی زبان کھلوانے کی فکر میں ہیں جنہیں آج گرفتار کیا گیا ہے“

پر مود اور اعجاز نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں کے ذہن میں بیک وقت ایک ہی خیال ابھرا تھا۔ وہ دونوں آدمی جنہیں جزیرے پر گرفتار کیا گیا تھا کون ہو سکتے تھے۔

پر مود کو عارف بٹ کا خیال آیا۔ ممکن تھا کہ وہ اپنے کسی ساتھی کو لے کر ان دونوں کی تلاش میں جزیرے پر پہنچ جاتا۔

”بہر حال اب وقت قریب آ گیا ہے“ وہی آدمی بولا ”تم جا کر ماسٹر سے کہو کہ ہیلی کوپٹر تیار رکھ رہا ہے، وہ فوراً یہاں پہنچیں“

اب یہ بات ظاہر ہو چکی تھی کہ وہ ہیلی کوپٹر ڈیٹیل اسکٹ کو اس جزیرے سے کہیں اور لے جانے کے لیے تھا۔ ممکن ہے کوئی ایسا بندوبست کیا جا چکا ہو کہ ڈیٹیل اسکٹ مون لینڈ کی حدود سے نکل جاتا لیکن پر مود کو اس وقت ڈیٹیل اسکٹ کی فکر رہ گئی تھی اور نہ اس بات کا خیال ذہن میں رہا تھا کہ وہ اور اعجاز اس ہیلی کوپٹر میں بیٹھ کر جزیرے سے فرار ہو سکتے ہیں۔ اب وہ صرف ان دونوں آدمیوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو گرفتار کیے گئے تھے۔ اگر وہ عارف بٹ اور اس کے ساتھی تھے تو یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ پر مود انہیں دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اس جزیرے سے فرار ہونے کی کوشش کرتا۔ تقریباً یہی خیالات اعجاز ذہن میں بھی پیدا ہوئے ہوں گے کیونکہ ان دونوں نے آپس میں کوئی گفتگو نہیں کی اور اس آدمی کے تعاقب میں لگ گئے جو ڈیٹیل اسکٹ کو یہ پیغام پہنچانے جا رہا تھا کہ ہیلی کوپٹر کی روانگی کا وقت آچکا ہے۔

پر مود یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ہیلی کوپٹر کی روانگی کا وقت مقرر ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔

وہ دونوں اس آدمی کا تعاقب کرتے ہوئے ایک غار کے قریب پہنچ گئے۔ وہ آدمی غار میں چلا گیا لیکن ان دونوں نے فوراً ہی غار میں داخل ہونے کی حماقت نہیں کی۔

بمشکل آدھا منٹ گزرا ہو گا کہ وہ آدمی غار سے باہر آتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے اس چٹان کے قریب سے گزرے جس کی آڑ میں پر مود اور اعجاز موجود تھے۔ ان دونوں آدمیوں کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ اسکٹ اس غار میں نہیں تھا اور اب وہ دوسرا آدمی پہلے آدمی کو اس مقام کی طرف لے جا رہا تھا جہاں ڈیٹیل اسکٹ کو ملنا چاہیے تھا۔ پر مود اور اعجاز اس مقام پر عین اس وقت پہنچے جب گرفتار ہونے والے ان دونوں آدمیوں کو پیپوں پر کھڑا کیا جا چکا تھا اور اسکٹ کے حکم پر ان کے پیروں کے نیچے سے پیپے گھسیٹے جا رہے

تھے۔

پرمود اور اعجاز نے ایک جھاری کی آڑ لے رکھی تھی۔ پرمود ان دونوں آدمیوں کے چہرے نہیں دیکھ سکا۔ اسی طرف دونوں کی پشت تھی۔ ویسے بھی اندھیرا اتنا تھا کہ قریب پہنچے بغیر پہچانا مشکل ہی تھا۔

پیپے بٹتے ہی ان دونوں آدمیوں کے جسم رسیوں میں جھول گئے۔ ٹھیک اسی وقت پرمود کی اسٹین گن گرج اٹھی۔ اس نے ان دونوں رسیوں کو نشانہ بنایا تھا ”دھم..... دھم“ کی آوازوں کے ساتھ وہ دونوں آدمی زمین پر گرے۔

”پوزیشن“ اسکاٹ نے چیختے ہوئے ایک طرف چھلانگ لگائی

اسی لمحے اعجاز کی اسٹین گن بھی اشارت ہوئی اور وہ سب آدمی ڈھیر ہو گئے جو وہاں موجود تھے اسکاٹ کے علاوہ شاید ہی کوئی شخص آڑ حاصل کر سکا ہو۔

جدھر اسکاٹ نے پوزیشن لی تھی ادھر کئی شعلے چمکتے نظر آئے۔ ریوالور سے فائرنگ کی گئی تھی کئی گولیاں پرمود اور اعجاز کے قریب سے گز گئیں۔ اگر وہ دونوں لیٹے نہ ہوتے تو کام تمام تھا۔

اسی وقت قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ بہت سے لوگ دوڑتے ہوئے اس طرف آرہے تھے۔

پرمود اور اعجاز فائرنگ کرتے ہوئے تیزی سے پیچھے ہٹنے لگے۔ ان جھاڑیوں میں وہ محفوظ نہیں تھی۔ کسی چٹان کی آڑ لینا ضروری تھا۔ وہ دونوں آدمی جنہیں پھانسی ہوتے رہ گئی تھی، زمین پر گر کر بے حس و حرکت ہو گئے تھے لیکن یہ کہنا مشکل ہی تھا کہ وہ مر چکے تھے۔ ممکن ہے وہ محض اس لیے زمین پر پڑے رہ گئے ہوں گے کہ اندھا دھند ہونے والی فائرنگ کی زد میں نہ آجائیں۔

اب فائرنگ میں ایک تسلسل پیدا ہو گیا تھا دشمن نے پوزیشن لے کر گولیاں برسانا شروع کر دیں تھیں۔ پرمود اور اعجاز رک رک کر فائر کر رہے تھے کیونکہ ان کے پاس زیادہ ایمنیشن نہیں تھا پرمود کی اسٹین گن تو خالی ہونے کے قریب تھی۔

اس ہنگامے میں جزیرے والوں کی توجہ ان کی ہوائی جہازوں کی طرف مبذول نہیں ہو سکی جنہوں نے جزیرے کے گرد ایک چکر لگایا تھا اور پھر ان جہازوں سے، بے شمار غبار سے نکل نکل کر فضا میں پھیل گئے تھے۔

سب سے پہلے پرمود ہی کی نظر ان غباروں پر پڑی اور اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا ”پیراشوٹ“

پھر کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ ایک تیز سائرن کی آواز جزیرے پر گونجنے لگی۔ غالباً ان لوگوں نے بھی پیراشوٹوں کو دیکھ لیا تھا اور سائرن کی آواز خطرے کا اعلان تھی۔

”کیا یہ ملٹری ہوگی۔“ اعجاز بولا

”غالباً،“ پرمود کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک تھی

”اب تو جزیرے سے نکلنا اور مشکل ہوگا“

”مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ ان دونوں آدمیوں کے چہرے نہیں دیکھ سکا“

”مجھے یقین ہے کہ وہ دونوں میرے ساتھیوں میں سے نہیں تھے۔ یہ اندازہ تو میں نے ان کے قد و قامت سے لگایا ہے“

”یہ اندازہ تو میں نے بھی کر لیا تھا کہ ان دونوں میں عارف بٹ کوئی نہیں ہے“

ان باتوں کے دوران میں فائرنگ کا سلسلہ جاری رہا اور پرمود کی اسٹین گن خالی ہو گئی۔

ملٹری کے جوانوں کو جزیرے پر اتارنے کے بعد دونوں طیارے واپس چلے گئے۔ ان فوجیوں کے علاوہ بہت سی لائچوں نے بھی جزیرے کو گھیر لیا تھا اور ان لائچوں میں بھی فوجیوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ جزیرے کے گرد گشت کرنے والی لائچوں نے ان کی راہ میں حائل ہونے کی کوشش کی تو ان پر مشین گنوں کا فائر کھل گیا۔ ذرا ہی دیر میں وہ سب لائچیں تباہ ہو گئیں۔

فوجیوں نے جزیرے پر قدم رکھا۔

اتنی دیر میں پیراشوٹ سے اترنے والے فوجیوں نے وہاں ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ جزیرے کے مختلف حصوں میں بے تحاشا گولیاں چل رہی تھیں اور دستی بموں کے دھماکے ہورہے تھے۔

بحری راستے سے پہنچنے والے جوانوں کی وجہ سے معرکہ کارزار میں غضب کی شدت پیدا ہو گئی۔ گولیاں مینہ کی طرح برسنے لگیں۔ دستی بموں کے دھماکے پے درپے ہونے لگے۔ بہت سی جھاڑیوں میں آگ لگ گئی اور جگہ جگہ لاشیں دکھائی دینے لگیں۔ اچانک ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے دو ملکوں کی سرحد پر جنگ چھڑ گئی ہو۔

دفعۃً فضا میں ایک کرخت آواز گونجنے لگی۔ فوجیوں کی نظریں انھیں تو ایک ہیلی کوپٹر دکھائی دیا۔ فوجیوں کے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ وہ ہیلی کوپٹر جزیرے ہی کے کسی حصے سے اڑا ہے۔

کئی سمتوں سے ہیلی کوپٹر پر فائرنگ شروع ہو گئی۔ لیکن وہ ہیلی کوپٹر ان گولیوں سے بچتا بچتا جزیرے کے اوپر سے نکل گیا۔ وہ کھلے سمندر کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا اور اس کا رخ شمال مشرق کی طرف تھا۔

ہیلی کوپٹر میں صرف دو آدمی تھے۔ ایک پائلٹ تھا اور دوسرا ڈیبل اسکاٹ۔ اسکاٹ نے اپنی گھڑی دیکھی اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں

کچھ بڑبڑایا

”یس ماسٹر“ پائلٹ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا

”تم سے کچھ نہیں کہا ہے“ ڈیبل اسکاٹ نے کسی کتے کی طرح دانت نکالے

پائلٹ کچھ نہ بولا، اگر اس وقت تاریکی نہ ہوتی تو اسکاٹ کے چہرے پر ناگواری کے آثار ضرور دیکھ لیتا۔

چند لمحوں خاموشی رہی پھر پائلٹ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ”ان لوگوں کے ساتھ ٹرانسمیٹر ضرور ہوگا“

”تو پھر۔“

”وہ ایئر ہیڈ کوارٹر کو صورت حال سے باخبر کر چکے ہوں گے“

”شاید کوئی طیارہ ہمارے ہیلی کوپٹر کی تلاش میں روانہ ہو چکا ہو“

”تو پھر۔“ اسکاٹ نے بڑے تیز لہجے میں کہا

”کک..... کچھ نہیں“ پائلٹ ہکا یا

”تم ڈرپوک قسم کے آدمی معلوم ہوتے ہو“ اسکاٹ نے سرد لہجے میں کہا

”میں نے..... محض ایک خدشہ ظاہر کیا تھا ماسٹر“

”تمہارے لہجے میں سراسیمگی تھی“

پائلٹ خاموش رہا

”میرا تمہارا ساتھ ذرا دیر کا ہے“ اسکاٹ نے خشک لہجے میں کہا ”ورنہ میں تمہیں تنبیہ کرتا کہ آئندہ تم بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرو گے“

پائلٹ اب بھی خاموش رہا

اسکاٹ نے اپنے گلے میں جھولتی ہوئی دو بین آنکھوں سے لگالی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ فی الحال ان کے ارد گرد کی فضا کافی دور تک صاف ہی نظر آ رہی تھی۔ آسمان پر تارے نکھرے ہوئے تھے۔ فضا بالکل صاف و شفاف تھی۔ ہیلی کوپٹر تیزی سے اڑتا رہا۔ اس کے نیچے بحر خاران کی سرکش موجیں بل کھا رہی تھیں۔ ستاروں کا عکس ان موجوں میں جھللا رہا تھا۔ ہیلی کوپٹر کی پرواز جاری رہی۔

بحر خاران میں ایک خاص مقام پر ریڈ گلف کے گیارہویں بحری بیڑے کا ایک جہاز اس ہیلی کوپٹر کا منتظر تھا۔ ہیلی کوپٹر کی پرواز اسی سمت میں جاری تھا۔ اس خدشے پر پہلے ہی غور کر لیا گیا تھا کہ مون لینڈ کی فضا سیہ کے طیارے ان کے ہیلی کوپٹر پر جھپٹ سکتے ہیں چنانچہ اسکاٹ کو اس خطرے سے بچانے کے انتظامات بھی کر لیے گئے تھے۔ فی الحال اس خطرے کا دور دور تک پتا نہیں تھا اس لیے اسکاٹ بڑے اطمینان سے بیٹھا تھا۔ لیکن یہ بات اسے اب بھی الجھن میں ڈالے ہوئے تھی کہ جزیرے پر فوج کی یہ منظم یلغار کیسے ہو سکی۔

اسکاٹ کو پر مود اور اس کے ایک ساتھی کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا لیکن یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں تھی کہ ان دونوں کی وجہ سے ایسا ہو سکا ہو۔ جزیرے کے گرد اتنا سخت پہرہ قائم کیا گیا تھا کہ وہ وہاں سے نکل ہی نہیں سکتے تھے اور نکلے بغیر وہ مون لینڈ کی حکومت سے اس جزیرے کے بارے میں مخبری نہیں کر سکتے تھے۔ اسکاٹ کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ وہ دونوں، جزیرے سے نہیں نکل سکے تھے۔ اس یقین کی سب سے بڑی وجہ وہ فائرنگ تھی جو عین اس وقت کی گئی جب ان دونوں آدمیوں کو پھانسی دی جا رہی تھی۔ اسکاٹ کے یقین کے مطابق وہ فائرنگ میجر پر مود ہی کر سکتا تھا۔

کتاب گھر کی پیشکش

V v v V

ان باتوں پر سوچ بچار کے دوران میں اسکاٹ دو بین کی مدد سے ارد گرد کی فضا کا جائزہ لیتا رہا۔ اچانک اس کی نظر ایک سمت میں ٹھک گئی۔ فضا میں ایک متحرک سادھا نظر آ رہا تھا۔ اسکاٹ غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ جلد ہی اسے یقین ہو گیا کہ وہ طیارہ تھا۔ فضا میں اڑنے والی چیز طیارے کے علاوہ بھی کیا ہو سکتی تھی۔

”پائلٹ! ہوشیار!“ اسکاٹ نے اچانک کہا ”ایک طیارہ آ رہا ہے“

”اوہ! کیا قریب آ گیا ہے۔“ پائلٹ نے چونک کر کہا

”نہیں ابھی قریب نہیں آیا ہے، صرف دو بین سے دیکھا جاسکتا ہے، پھر بھی تم اپنا کام فوراً شروع کر دو مگر ٹھہرو، جہاز تک پہنچنے میں کتنی دیر ہے۔“

”بیس منٹ سے کم نہیں لگیں گے“

”بس تو پھر سگنل دے دو“ اسکاٹ نے کہا ”طیارہ تو ہمیں پانچ منٹ میں آئے گا“

پائلٹ نے ایک ایسا ہٹن دبایا جو اور کسی ہیلی کوپٹر میں نہیں ہوتا۔

اس ہیلی کوپٹر کے نچلے حصے میں چار سرخ بلب لگے ہوئے تھے۔ اس ہٹن کا تعلق انہی بلبوں سے تھا۔ ہٹن دبتے ہی وہ چاروں بلب تیزی سے جلنے بجھنے لگے۔

اسکاٹ اب اس طیارے کی طرف دیکھنے کی بجائے نیچے سمندر کی طرف دیکھنے لگا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کچھ تلاش کر رہا ہو

دفعۃً سمندر کے ایک حصے سے سبز روشنی کا سگنل ملا

”وہ دیکھو، وہ رہی لانچ“ اسکاٹ نے کہا

پائلٹ اس سے پہلے ہی سبز روشنی کا سگنل دیکھ چکا تھا۔ اس نے ہیلی کوپٹر کو ذرا سا بائیں طرف گھماتے ہوئے نیچے اتارنا شروع کر دیا۔ اب اسکاٹ پھر اسی سمت دیکھنے لگا جدھر وہ طیارہ نظر آیا تھا لیکن اب کچھ دکھائی نہیں دیا۔ فضا بالکل صاف پڑی تھی۔ اسکاٹ کے منہ سے تھیر زہ سی آواز نکلی اور پھر اس نے پائلٹ کو بھی بتایا کہ طیارہ غائب ہے

” شاید کسی اور سمت نکل گیا ہوگا “ پائلٹ نے کہا

” بہر حال اب مجھے ہیلی کوپٹر چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ سیدھے چلتے رہو “ اسکاٹ نے گویا حکم صادر کیا۔

پائلٹ نے ایک بٹن دبایا اور ہیلی کوپٹر کو نیچے لگے ہوئے سبز بلب جلنے بجھنے لگے۔ یہ لالچ والوں کے لیے اس بات کا سگنل تھا کہ خطرہ ٹل چکا ہے لہذا اب ڈیبل اسکاٹ کو ہیلی کوپٹر سے لالچ میں منتقل ہونے کی ضرورت نہیں۔

ایسی ہی بہت سی لالچیں سمندر میں آگے بھی موجود تھیں۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تھا کہ ہیلی کوپٹر کے لیے جہاں بھی خطرہ پیدا ہو وہیں ڈیبل اسکاٹ قریب ترین لالچ پر اتر جائے۔

ہیلی کوپٹر سے سگنل ملتے ہی اس لالچ نے سگنل دینا بند کر دیے اور ہیلی کوپٹر آگے نکلا چلا گیا لیکن ابھی مشکل سے دو منٹ گزرے ہوں گے کہ پائلٹ کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ ایک طیارہ ان کے سروں پر گرج رہا تھا۔ اسکاٹ چونکا اور پھر اس طیارے کی طرف دیکھتا ہوا دانت پیسنے لگا۔

ہیلی کوپٹر کے ریڈیو پر آواز آئی ” ہیلی کوپٹر! فوراً جواب دو کہ تم کون ہو۔ “

طیارے کی رفتار کم نہیں ہو سکتی تھی اس لیے وہ آگے نکلا چلا گیا لیکن دوبارہ قریب آنے کے لیے ایک چکر کاٹنے لگا

” ہمارا تعلق فلائنگ کلب سے ہے “ اسکاٹ نے ریڈیو میں جواب دیا

” تم کھلے سمندر کی طرف بڑھ رہے ہو اور تم نے جزیرے سے پرواز کی تھی۔ بیوقوف بنانے کی کوشش مت کرو اور واپس چلو۔ “

طیارے کے پائلٹ نے تحکمانہ لہجے میں کہا

ادھر ہیلی کوپٹر کے پائلٹ نے بٹن دبایا کہ سگنل دینا شروع کر دیے تاکہ قریب ہی کوئی لالچ ہو تو تیار ہو جائے

” اچھا ہم واپس چلتے ہیں “ اسکاٹ نے کہا اور جھنجھلائے ہوئے انداز میں نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا

طیارہ چکر کاٹ کر ہیلی کوپٹر کی طرف آ رہا تھا۔

پائلٹ نے ہیلی کوپٹر کو تیزی سے نیچے لے جانا شروع کر دیا لیکن ابھی تک کسی لالچ کا سگنل نہیں ملا تھا۔

” ہیلی کوپٹر “ طیارے کا پائلٹ ریڈیو پر چلایا ” ہیلو کوپٹر کو اوپر لاؤ ورنہ میں فائر کر دوں گا “

اسی وقت نیچے سے سبز سگنل ملا لالچ قریب تھی لیکن اگر ہیلی کوپٹر کو مزید نیچے کیا جاتا تو طیارے سے فائرنگ شروع ہو جاتی۔ پائلٹ نے بوکھلا کر ڈیبل اسکاٹ کی طرف دیکھا۔

” اوپر چلو “ اسکاٹ نے آہستہ سے کہا اس کی اکھوتی آنکھ کی سرخی گہری ہو گئی تھی

پائلٹ ہیلی کوپٹر کو اوپر لے جانے لگا۔

طیارہ ان کے قریب آ چکا تھا پھر وہ اوپر سے گزر گیا ظاہر ہے کہ وہ اپنی رفتار کو اتنا کم نہیں کر سکتا تھا کہ ہیلی کوپٹر کے ساتھ پرواز کر سکے۔

” ہیلی کوپٹر! تم اب تک واپسی کے لیے نہیں مڑے ہو۔ “ طیارے کے پائلٹ نے لکارتے ہوئے کہا

طیارہ اب کافی دور نکل گیا تھا

” نیچے چلو، تیزی سے “ اسکاٹ نے سرگوشی کی

ہیلی کوپٹر تیزی سے نیچے ہوتا چلا گیا

اس لانچ نے طیارے کی وجہ سے سگنل دینا بند کر دیے تھے لیکن طیارے کے دور ہوتے ہی پھر شروع کر دیے۔

اسکاٹ کا اندازہ تھا کہ طیارے کے قریب آنے سے پہلے ہی وہ ہیلی کوپٹر سے لانچ میں چھلانگ لگا دے گا لیکن ایسا نہیں ہو سکا

طیاری گرجتا ہوا قریب آیا اور بے تحاشا گولیاں برساتا ہوا گزر گیا۔ ساری کی ساری گولیاں ہیلی کوپٹر کی باڈی میں پیوست ہو گئیں اور

ان کی وجہ سے یوں معلوم ہوا جیسے کسی نے ہیلی کوپٹر کو بری طرح جھنجھوڑ ڈالا ہو۔ اسکاٹ کے منہ سے ایک گندی گالی نکلی۔ ہیلی کوپٹر میں آگ لگ چکی تھی۔ اسکاٹ نے بوکھلا کر چھلانگ لگا دی۔ اس کے فوراً بعد ہی پائلٹ نے بھی چھلانگ لگائی لیکن اس بد نصیب کو چند لمحوں کی دیر ہو گئی تھی۔

ایک دھماکے سے ہیلی کوپٹر کے پر نیچے اڑ گئے اور پائلٹ بھی اس دھماکے کی زد میں آ گیا۔ نہ جانے اس کا جسم کتنے ٹکڑوں میں تقسیم ہوا ہو

گا۔

اسکاٹ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ برف کے برادے میں دفن ہوتا چلا جا رہا ہو۔ سمندر کا پانی ایسا ہی بخ بستہ تھا۔

چند لمحوں بعد اسکاٹ سنبھلا اور ہاتھ پیر پھینکتا ہوا سطح کی طرف اٹھنے لگا۔ سطح سے سر نکال کر اس نے لمبے لمبے سانس لیے اور ادھر ادھر

دیکھنے لگا۔

فضا میں کچھ فاصلے پر طیارے کا دھبہ نظر آیا۔ وہ واپس جا رہا تھا۔ غالباً اس کے پائلٹ کو یقین ہو گیا کہ ہیلی کوپٹر کے ساتھ ہی وہ

دونوں بھی اس دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔

طیارے کا اس طرح واپس چلا جانا، اسکاٹ کے لیے اطمینان بخش تھا لیکن اس اطمینان کے ساتھ ہی یہ روح فرسا احساس بھی موجود

تھا کہ قرب وجوار میں کوئی لانچ نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ نہ جانے وہ اس لانچ سے کتنی دور آگرا تھا۔ چاروں طرف سمندر کی بے رحم لہریں اس طرح

غرار ہی تھیں جیسے اسکاٹ کو ہڑپ کر لینے کے لیے بے چین ہوں۔ سب سے بڑا خطرہ شارک مچھلیوں کا تھا۔ ان کا خیال آتے ہی اسکاٹ جھرجھری

سے لے کر رہ گیا۔ وہ کتنی خوفناک موت ہوتی ہے جو شارک کے مضبوط جیڑوں میں واقع ہو۔

اسکاٹ پاگلوں کی طرح گالیاں بکنے لگا۔ یہ گالیاں لانچ والوں کے لیے بھی تھیں اور میجر پر مود کے لیے بھی حالانکہ اسکاٹ کی اس

حالت سے پر مود کا کوئی بالواسطہ تعلق نہیں تھا۔ ٹھنڈے پانی نے شاید اسکاٹ کا دماغ منجمد کر دیا تھا۔ وہ ہاتھ پیر مارتا رہا اور زور زور سے چیختا رہا۔

کوئی بیس منٹ اسی طرح گزر گئے اور پھر ایک لانچ اس کے قریب نظر آئی۔ اگر وہ اب بھی نہ آتی تو ڈیہیل اسکاٹ کا حشر نہ جانے کیا

ہوتا۔ تیرتے تیرتے تھکن تو ہوئی، ہی تھی لیکن ٹھنڈے پانی کی وجہ سے سارا جسم شل ہونے لگا تھا۔

اسے لانچ پر گھسیٹ لیا گیا۔

” کہاں مر گئے تھے تم لوگ۔“ اس نے دباڑتے ہوئے اس آدمی پر ہاتھ چھوڑ دیا جو اس کے بالکل قریب تھا۔

” ماسٹر..... ماسٹر “ وہ گڑ گڑانے لگا

” میں تم دونوں کو اس کی سزا ضرور دوں گا“ اسکاٹ کا لہجہ بحر خاران کے بخ بستہ پانی سے بھی زیادہ سرد تھا۔

اگر اندھیرا نہ ہوتا تو ان دونوں آدمیوں کے چہروں پر پھیلی ہوئی زردی صاف نظر آ جاتی۔ لانچ پردوہی آدمی تھے۔

اسکاٹ نے اپنا گیلیا لباس اتار پھینکا اور ان دونوں آدمیوں میں سے ایک کا اور کوٹ لے کر پہن لیا۔

لانچ تیز رفتاری سے سفر طے کرتی رہی۔ بالاخر وہ لوگ اس مقام پر پہنچ گئے جہاں گیارہویں بحری بیڑے کا جہاز اسکاٹ کا منتظر تھا۔

جزیرے پر معرکہ کارزار گرم تھا۔ گولیاں چل رہی تھیں اور لاشیں گر رہی تھیں۔ فوج کی طرف سے میگا فون پر کئی مرتبہ اعلان کیا جا چکا تھا کہ جزیرہ مکمل محاصرے میں ہے لہذا بچ کر کوئی نہیں جاسکتا لیکن اس اعلان سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ وہ لوگ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہیں تھے۔ وہ خون کے آخری قطرے تک لڑنے کے لیے تیار تھے۔

میجر پرمود، اعجاز کو لیے جنوبی ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسٹین گن خالی ہونے کے بعد اس نے اعجاز کی اسٹین گن سنبھال لی تھی۔ اعجاز اب خالی ہاتھ تھا۔ وہ دونوں چٹانوں اور جھاڑیوں کی اوٹ لے کر چھپکلیوں کی طرح رینگتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ ان کے لیے دوہرا خطرہ تھا۔ جزیرے والے تو ان کی جان کے لاگو تھے ہی لیکن فوجیوں کو بھی ان سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی تھی لہذا ان دونوں کو بہت احتیاط سے کام لینا تھا۔

کئی مرتبہ انہیں اپنا راستہ بدلنا پڑا تھا کیونکہ اگر سیدھے چلتے رہتے تو کسی نہ کسی پارٹی سے ٹکراؤ ہو جاتا۔ جس طرف سے بھی گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں، وہ اس طرف سے اپنا رخ بدل دیتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آدھے گھنٹے میں وہ بہت کم فاصلہ طے کر سکے۔ پرمود کا خیال تھا کہ ساحل ابھی کافی دور ہے لیکن یہ بات اعجاز کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ ساحل سے قریب ہونے کی کوشش کیا معنی رکھتی ہے۔ وہ کسی طرح بھی وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ فوج کی لائنوں نے جزیرے کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہوگا۔ اس بات کو مشکل بلکہ ناممکن ہی کہنا چاہیے کہ وہ فوج کی کسی لائن پر قبضہ کر کے جزیرے سے فرار ہو سکتے۔ پوزیشن ایسی تھی کہ انہیں کے باوجود اعجاز اس مسئلے پر، پرمود سے گفتگو نہیں کر سکا۔

کوئی ایک گھنٹے کی جدوجہد کے بعد وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں سے ساحل، زیادہ سے زیادہ ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہو گا۔ اب ان کے آگے کسی جگہ بھی گولیاں نہیں چل رہی تھیں۔ سارا معرکہ ان کے عقب میں رہ گیا تھا۔

اعجاز نے سرگوشی کی ”اب ذرا رک جائیے“

وہ بہت تھکن محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کے علاوہ ہتھیلیاں بھی اتنی چھل گئی تھیں کہ ان میں کافی جلن ہو رہی تھی۔

وہ دونوں ایک گھنی جھاڑی میں گھس کر رک گئے۔ پرمود نے محسوس کیا کہ جزیرے پر ہونے والے معرکے میں اب پہلے کی سی شدت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ وہ مقابلہ تدریجاً ٹڈال ہوتا جا رہا تھا اور اس کی وجہ یہی ہو سکتی کہ جزیرے والے کافی کم ہو چکے تھے اور کم ہوتے چلے جا رہے تھے۔

اس معرکے کے علاوہ پرمود کے ذہن میں ڈیٹیل اسکاٹ کا خیال بھی موجود تھا۔ اس ہیلی کوپٹر کی اڑان اس نے بھی دیکھی تھی اور اسے یقین تھا کہ اس میں ڈیٹیل اسکاٹ ہی ہوگا لیکن کیا اس ہیلی کوپٹر کو بچ نکلنے کا موقع مل گیا ہوگا، اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ ویسے پرمود کی دلی خواہش یہی تھی کہ اسکاٹ بچ کر نکل جائے۔

”ہم ساحل کے قریب جا کر کیا کریں گے میجر۔“ اعجاز نے چند لمحوں بعد سرگوشی کرتے ہوئے پوچھا۔

اس سے پہلے کہ پرمود کوئی جواب دیتا، وزنی جوتوں کی دھمک سنائی دی۔ وہ ایک دم خاموش رہ گیا اور اعجاز کا شانہ دبا کر اسے بھی خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

قدموں کی آواز اب بالکل قریب آ چکی تھی۔ پرمود نے دیکھا کہ وہ دو سپاہی تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں ٹائی گنیں تھیں اور وہ چاروں طرف دیکھتے ہوئے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔

پرمود اور اعجاز نے اپنے سانس روک لیے اور بے حس و حرکت بیٹھے ان دونوں کی طرف دیکھتے رہے۔

چند ہی لمحوں بعد دونوں سپاہی جھاڑی کے قریب آ گئے اور پھر ان میں سے ایک بڑے غور سے اس جھاڑی کی طرف دیکھنے لگا۔

اعجاز کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں اور اس وقت جو سوال اس کے ذہن میں ابھرا، وہ یہ تھا کہ کیا اس سپاہی نے ان دونوں کو دیکھ لیا

ہے۔

پرمود کی آنکھیں نیم باز ہو گئی تھیں

”کیا ہے، کیا دیکھ رہے ہو۔“ دوسپا ہی بولا

”مجھے ایسا لگا تھا جیسے کوئی اس جھاڑی میں چھپا بیٹھا ہو“

”اگر کوئی ہوتا تو ہم پر فائرنگ شروع کر چکا ہوتا“

”ہاں، شاید وہم ہی تھا میرا“

وہ دونوں بڑھ گئے۔

اعجاز نے اطمینان کا سانس لیا مگر اسی وقت جو کچھ ہوا وہ اس کے سان و گمان میں نہیں تھا۔

پرمود نے اچانک جھاڑی سے جست لگا لی تھی۔ وہ شاہین کی طرف فضا میں اڑتا ہوا ان دونوں سپاہیوں پر جا گرا۔ وہ دونوں اس دھکے سے اوندھے منہ گرے۔ پرمود ان کے اوپر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ ان کی گردنوں پر جم گئے تھے۔ ان کے جسموں کو اس نے اپنی دونوں ٹانگوں میں سمیٹ لیا تھا۔

اعجاز بولھلائے ہوئے انداز میں جھاڑی سے نکل کر ان کی طرف چھٹا۔

دونوں سپاہیوں کی گردنیں جیسے فولادی شکنوں میں پھنس گئی تھیں۔ ان کے منہ سے ذرا بھی آواز نہیں نکل سکی، بجز سسکیوں کے! انہوں نے تڑپ تڑپ کر گرفت سے نکلنا چاہا لیکن پرمود کی رانوں کے درمیان بس کسمسا کر رہ گئے۔

”کیا میں آپ کی کچھ مدد کروں۔“ اعجاز بولا

”ضرورت نہیں ہے“ پرمود نے کہا

اور پھر جلد ہی وہ دونوں کو چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ وہ دونوں اس کے بعد بھی زمین پر پڑے رہے، ساکت و صامت

”کیا یہ مر گئے۔“ اعجاز نے پوچھا

”نہیں، صرف بیہوش ہوئے ہیں۔ بس اب جلدی سے ان کی وردیاں اتار لو“

”کیوں۔“

”ہمیں اپنا لباس اتار کر یہیں پھینک دینا ہے“

”اوہ! اعجاز اس کا مطلب سمجھ گیا“

ان دونوں نے جلدی جلدی اپنا لباس اتار پھینکا اور ان دونوں کی وردیاں اتار کر پہن لیں۔

”اب.....“ پرمود نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا ”جس وقت فوج اس جزیرے سے لوٹے گی تو ہم بھی دوسرے سپاہیوں میں

شامل ہو جائیں گے۔ اندھیرے میں کوئی ہمارے چہرے نہیں دیکھ سکے گا پھر سن گراڈ پہنچنے کے بعد..... آہ!“ پرمود اچانک لڑکھڑایا اور گرتے گرتے بچا۔

اعجاز تو گر ہی پڑا تھا۔

وہ دھماکا اتنا ہی خوفناک تھا کہ سارے جزیرے کی زمین کانپ اٹھی تھی۔ یوں معلوم ہوا تھا جیسے سینکڑوں توپیں بیک وقت داغ دی گئی ہوں یا کوئی طاقتور بم پھٹ گیا ہو۔ وہ دھماکا جزیرے کے وسطی حصے میں ہوا تھا۔ کئی چٹانیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فضا میں اچھل گئی تھیں۔ بہت سے درختوں اور جھاڑیوں میں آگ لگ گئی تھی۔

” صفایا..... صفایا ہو گیا“ پرمود ہاتھ ملتا ہوا بڑبڑایا ” فیکٹری کوڑا دیا گیا۔ اب وہاں کچھ بھی نہیں مل سکے گا“

اعجاز کھڑا ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں کپکپا رہی تھیں اور کانوں میں شائیں شائیں ہو رہی تھی۔ شاید وہ پرمود کی آواز بھی نہ سن سکا ہو۔

پرمود کے کان بھی سننا رہے تھے لیکن وہ خوفناک دھماکا اس کے اعصاب پر اس حد تک اثر انداز نہیں ہوا تھا کہ اس کی ٹانگیں کپکپانے

لگیں

” اب ہمیں ان سپاہیوں کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اور ان کے ہاتھ پیر باندھ کر اس جھاڑی میں ڈالنا ہے“ پرمود نے کہا

” تاکہ یہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے آفیسر کو اس صورت حال سے آگاہ نہ کر سکیں۔ اگر ان لوگوں کو علم ہو گیا کہ ہم نے وردیاں

حاصل کر لی ہیں تو پھر اس جزیرے سے نکلنا ممکن نہیں رہے گا۔

V v v V

طلوع مہتاب کے ساتھ ہی تاریکی کا غلاف چاک ہوتا چلا گیا۔ جزیرے پر اب اس اعتبار سے مکمل سناٹا چھایا ہوا تھا کہ کوئی گولی نہیں چل رہی تھی اور کوئی دھماکا نہیں ہو رہا تھا، صرف فوجیوں کی نقل و حرکت اور ان کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ چند افراد گرفتار بھی ہوئے تھے لیکن بیشتر مارے جا چکے تھے۔ ان کی لاشیں ایک جگہ جمع کی جا رہی تھیں۔ اس خونریز معرکے میں کافی فوجی بھی کام آئے تھے مگر تناسب بہت کم تھا۔ سن گراؤ سے مزید فوج طلب کر لی گئی تھی۔

اس خوفناک دھماکے کے مرکز کے گرد ایک حصار قائم کر دیا گیا تھا اور فی الحال کسی فوجی کو بھی اس حصار میں داخل ہونے کی اجازت

نہیں تھی۔

ڈھائی بجے کے قریب دو ہیلی کوپٹر جزیرے پر پہنچے۔ ان ہیلی کوپٹروں میں ماہرین کی جماعت آئی تھی۔ ان لوگوں کو اس دھماکے کے

اسباب کی تحقیقات کرنا تھا۔

سیکڑ سروس اور انٹیلی جنس کے چیف آفیسر بھی ایک ہیلی کوپٹر کے ذریعے وہاں پہنچ گئے۔ زمین سے بیس پچیس فٹ اوپر وہ

ایک مسطح چٹان تھی جہاں ان ہیلی کوپٹروں نے لینڈ کیا تھا۔ اس چٹان کا نصف حصہ نہایت کٹا پھٹا تھا اور اس میں دراڑیں بھی تھیں جن کے باعث کوئی ہیلی کوپٹر اس پر لینڈ نہیں کر سکتا تھا۔

میجر پرمود اور اعجاز کسی نہ کسی طرح اس بلندی پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور وہاں سے جھانک کر بیس پچیس فٹ نیچے کھڑے

ہوئے ہیلی کوپٹروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ چاندنی میں ہر شے صاف نظر آ رہی تھی۔ چٹان کے اس سطح حصے میں دس بارہ فوجیوں کی نقل و حرکت دیکھی جاسکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ سب فوجی، ہیلی کوپٹروں کی حفاظت کے لیے تعینات کیے گئے تھے۔

ان ہیلی کوپٹروں ہی کو دیکھ کر پرمود اور اعجاز نے یہاں تک پہنچنے کی کوشش کی تھی اور پرمود سوچ رہا تھا کہ اگر کسی ہیلی کوپٹر پر قبضہ کرنے کا

موقع مل جائے تو وہ اس جزیرے سے باآسانی فرار ہو جائیں گے۔ قرائن سے پتا چلتا تھا کہ جزیرے سے فوج کی واپسی کافی الحال کوئی سوال نہیں

پیدا ہوتا اس لیے پرمود کی پہلی اسکیم شرمندہ تکمیل نہیں ہو سکتی تھی، کم از کم اس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی جب تک فوج کی واپسی کا آغاز نہ ہوتا لیکن

پرمود اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ اس جزیرے پر کئی دن گزارنے کے بعد اب اسے اکتا ہٹ محسوس ہونے لگی تھی اور وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا

چاہتا تھا۔ اب سوچنا صرف یہ تھا کہ ہیلی کوپٹر پر قبضہ کس طرح کیا جاسکے گا جبکہ ان کی حفاظت کا معقول انتظام تھا۔

تمام محافظ سپاہی ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے اس لیے اچانک فائرنگ بھی ان سب کو ہلاک نہیں کر سکتی تھی۔ ان میں سے دو ایک کو بچنے

اور پوزیشن لینے کی مہلت مل ہی جاتی اور پھر ناممکن تھا کہ پرمودا اور اعجاز کسی ہیلی کوپٹر کے قریب پھٹک بھی سکتے وقت گزرنے کے ساتھ پرمودا کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی کیونکہ کوئی معقول تدبیر ذہن میں نہیں آرہی تھی۔

اچانک فضا میں ایک کرخت آواز گونجنے لگی۔ ایک اور ہیلی کوپٹر اس طرف آ رہا تھا۔ پرمودا اور اعجاز جلدی سے ایک دراڑ میں سمٹ گئے تاکہ ہیلی کوپٹر میں بیٹھے ہوئے آدمیوں کی نظریں ان پر نہ پڑ سکیں۔

چٹان سے سرچ لائٹ فضا میں پھینک کر اس ہیلی کوپٹر کی رہنمائی کی گئی۔ چند ہی منٹ بعد وہ ہیلی کوپٹر بھی چٹان پر اتر چکا تھا۔ وہ چٹان اتنی بڑی تھی کہ ابھی مزید آٹھ ہیلی کوپٹر وہاں اتر سکتے تھے۔

پرمودا اور اعجاز نے جھانک کر دیکھا۔ اس چوتھے ہیلی کوپٹر سے کئی آدمی اترے تھے اور ان میں سے ایک کو پرمودا نے پہچان لیا تھا۔ وہ مومن لینڈ کی ایک اہم شخصیت تھی، وزارت داخلہ کا سیکریٹری! اچانک پرمودا کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور اس نے اعجاز کی طرف جھک کر آہستہ آہستہ کچھ کہا۔ پھر ان دونوں نے بڑی پھرتی سے اپنے رومال نکال کر نقاب کی طرف چہروں پر باندھ لیے۔

”مسٹر چٹان پر ”دھم..... دھم“ کی آوازیں ہوئیں اور وہ لوگ ان نقاب پوشوں کو دیکھ کر بھونچکا رہ گئے جو اوپر سے کودے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ لوگ صورت حال کو سمجھ کر کوئی قدم اٹھاتے، پرمودا نے اسٹین گن کی نالی وزارت داخلہ کے سیکریٹری کے سینے پر رکھ دی اور گرج کر بولا ”اگر ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو سیکریٹری صاحب اس دنیا سے کوچ کر جائیں گے“

جو جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ سیکریٹری صاحب کے چہرے کی رنگت اڑ گئی۔

”سب لوگ اپنے ہتھیار پھینک دیں“ اعجاز نے ٹامی گن لہرائی

یہ ٹامی گن انہی سپاہیوں میں سے ایک کی تھی جن کی وردیاں اس وقت ان دونوں کے جسموں پر تھیں۔

سپاہیوں نے اعجاز کا حکم سن کر اپنے لفٹیننٹ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر تذبذب کے آثار تھے۔

”کیا تم لوگوں نے سنا نہیں“ اعجاز غرایا

”ہتھیار ڈال دو“ لفٹیننٹ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

رائفلیں اور اسٹین گنیں چٹان پر ڈھیر ہو گئیں۔

سیکریٹری کے ساتھ آنے والوں نے ہاتھ اٹھا دیے تھے، اور بے حد خائف نظر آرہے تھے۔

”ہم سیکریٹری صاحب کو ساتھ لے جا رہے ہیں“ پرمودا نے لفٹیننٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”اگر دوسرے ہیلی کوپٹروں نے ہمارا تعاقب کرنے کی کوشش کی تو سیکریٹری صاحب کو گولی ماری جائے گی۔ اگر شرافت کا مظاہرہ کیا گیا تو ہم سیکریٹری صاحب کو سن گراڈ پہنچ کر زندہ سلامت چھوڑ دیں گے“

وقت بڑا نازک تھا۔ اگر اس وقت کچھ اور سپاہی وہاں پہنچ جاتے تو شاید دشواری پیدا ہو جاتی اس لیے ضروری تھا کہ روانگی جلد از جلد

عمل میں آجائے۔

پرمودا سیکریٹری کو دھکیلتا ہوا ہیلی کوپٹر کی طرف بڑھا

”تم لوگ..... کون ہو۔“ سیکریٹری کی آواز اس کے حلق میں پھنس رہی تھی

”ہم کالے چور ہیں۔ بس اب تم ہیلی کوپٹر میں بیٹھ جاؤ“ پرمودا نے تحکمانہ لہجے میں کہا

سیکریٹری نے بڑی بے بسی سے لفٹیننٹ کی طرف دیکھا لیکن وہ بیچارہ تو اور زیادہ بے بس تھا اگر وہ کوئی قدم اٹھاتا تو سیکریٹری کی

جان کے لالے پڑ جاتے اور پھر اپنے افسران کے سامنے اس بیچارے کے لیے جواب ہی مشکل ہو جاتی۔

وہ سب دم بخود کھڑے رہے اور ہیلی کوپٹر پرواز کر گیا۔ پائلٹ کی سیٹ پر مود نے سنبھالی تھی اس کے اور اعجاز کے درمیان میں سیکریٹری پھنسا بیٹھا تھا۔

ہیلی کوپٹر پوری رفتار سے سن گراڈ کی طرف بڑھنے لگا۔ پر مود نے اعجاز کو اشارہ کیا اور دوسرے ہی لمحے اعجاز نے اپنی ٹامی گن کی بٹ سیکریٹری کے سر پر اس طرح ماری کہ وہ بیچارہ دوسری ضرب کی خواہش ظاہر کیے بغیر بیہوش ہو گیا۔

” لیکن کیا ہمارا فرار کامیاب رہے گا۔“ اعجاز بولا

” کیوں نہیں “ پر مود نے بڑے اعتماد سے کہا

” ہمارے فرار کی خبر ٹرانسمیٹر کے ذریعے سن گراڈ پہنچائی جا رہی ہوگی“

” دیکھا جائے گا “ پر مود نے کہا

چار بجنے والے تھے۔ آسمان پر چاند تیرتا چلا جا رہا تھا۔ اس کی کرنیں سمندر کی سطح پر جال بن رہی تھیں۔ ہیلی کوپٹر سن گراڈ کی اونچی اونچی عمارتوں پر پرواز کرنے لگا۔ سارا شہر سنائے میں ڈوبا ہوا تھا۔ پر مود نے ہیلی کوپٹر کو ایک بنگلے کی چھت پر اتار دیا۔

” بنگلے کے لیکن جاگ گئے ہوں گے ہیلی کوپٹر کی آواز سن کر“ اعجاز نے خدشہ ظاہر کیا

” لیکن وہ ہمارا راستہ نہیں روکیں گے کیونکہ ہمارے جسم پر ملٹری کی وردی ہے“ پر مود نے مسکرا کر کہا اور اپنے چہرے پر بندھا ہوا رومال

کھول لیا۔

اعجاز نے رومال کے سلسلے میں اس کی تقلید کی، پھر دونوں ہیلی کوپٹر سے اتر آئے

” سیکریٹری۔“ اعجاز بولا

” اب اسے ساتھ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے“ پر مود نے کہا

وہ دونوں زینے کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تیزی سے زینے طے کرتا ہوا اوپر آ گیا۔

” بینڈ زاپ“ وہ گرجا

اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا رخ ان دونوں کی طرف تھا لیکن پھر خود بخود ہی اس کا ہاتھ جھکتا گیا اور آنکھیں متحیرانہ انداز

میں پھیل گئیں۔ غالباً اس کی وجہ ملٹری کی وردی تھی۔

” ہمارا تعلق فورس ہے“ پر مود نے بارعب انداز میں کہا ”ہم ایک اہم کام سے جا رہے تھے کہ ہیلی کوپٹر میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی۔ اگر ہم

یہاں اتر نہ پڑتے تو ہیلی کوپٹر تباہ ہو جاتا“

” اچھا، اچھا کوئی بات نہیں، بوڑھے نے یہ کہتے ہوئے اپنا ریوالور گاؤن کی جیب میں ڈال لیا۔

” کیا آپ کے پاس کار ہے۔“ پر مود نے پوچھا

جواب اثبات میں ملا تھا

” حکومت آپ کی مشکور ہوگی اگر آپ وہ کار ہمیں دے دیں“ پر مود نے کہا ”ہمیں جلد از جلد ہیڈ کوارٹر پہنچنا ہے۔ آپ کی کار واپس کر

دی جائے گی۔ جلد ہی ہمارے کچھ انجینئرز بھی یہاں پہنچیں گے تاکہ ہیلی کوپٹر کی خرابی دور کر کے اسے یہاں سے لے جائیں“

” میرے ساتھ آئیے“ بوڑھا زینے کی طرف مڑ گیا

پر مود نے مسکرا کر اعجاز کو آنکھ ماری اور پھر بوڑھے کے ساتھ اترتا ہوا بولا ”کیا وعدہ چادریں بھی مل سکیں گی۔“

” ہاں ہاں “ بوڑھے نے کہا لیکن اس کے لہجے میں حیرت تھی

حیرت اعجاز کو بھی ہوئی تھی لیکن اس وقت کوئی سوال کرنا مصلحت کے خلاف تھا۔ صرف پانچ منٹ بعد ایک چھوٹی سی کار اس بنگلے کے احاطے سے نکلی اور فرار لے بھرنے لگی۔

پرمود را نیونگ کر رہا تھا۔ اس نے اعجاز سے کہا ”ایک چادر تم اپنے شانے پر اس طرح ڈال لو کہ وردی دکھائی نہ دے“
”اوہ“ اعجاز ایک طویل سانس لے کر رہ گیا

دوسری چادر پر مود نے اپنے اوپر ڈال لی۔ سڑک دور تک سنسان پڑی تھی۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔

V V V V

صبح قریب تھی۔ پانچ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ عارف بٹ بڑی بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ آج کی رات ٹہلتے ہوئے ہی گزر گئی تھی کیونکہ اسے علم تھا کہ جزیرے پر فوج یلغار کر چکی ہے۔ وہ پریشان اس لیے تھا کہ پرمود اور اعجاز کا اس جزیرے سے بچ کر نکل آنا ممکن نہیں معلوم ہو رہا تھا۔

ٹھیک پانچ بجے کال بیل کی آواز سنائی دی۔ عارف بٹ چونک پڑا اسے حیرت ہوئی کہ اس وقت کون آ گیا۔ شاید اس کا کوئی ماتحت کوئی خاص اطلاع دینے آیا ہو۔ یہ خیال ذہن میں آتے ہی وہ بیٹا بانہ خود ہی دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس نے اس بات کا انتظار نہیں کیا کہ گھنٹی کی آواز سے ملازم بیدار ہو اور جا کر دروازہ کھولے۔

اور پھر دروازہ کھولتے ہی اس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ اس کے سامنے میجر پرمود اور اعجاز کھڑے ہوئے تھے۔

”ہیلو!“ پرمود مسکرایا

عارف بٹ چند لمحوں کے لیے گنگ ہو کر رہ گیا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین کیسے آ جاتا جبکہ اس بات کا یقین پہلے ہی سے تھا کہ وہ دونوں اس جزیرے سے نہیں نکل سکیں گے۔ وہ اس بات پر بھی حیران تھا کہ دونوں کے جسموں پر فوجی وردی تھی۔

”کیا ہمیں اندر نہیں آنا چاہیے۔“ پرمود مسکرا کر بولا

”اوہ، آئیے میجر!“ عارف بٹ چونک کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا ”میں حیران ہوں کہ آپ کو دیکھ رہا ہوں“

پرمود اور اعجاز اندر آ گئے۔ ان دونوں کا شیو بڑھا ہوا تھا اور آنکھوں کی سرخ بتا رہی تھی کہ وہ کئی راتوں سے پوری نیند نہیں لے سکے ہیں۔ اعجاز کی حالت بہت ہی خستہ معلوم ہو رہی تھی۔ اب تک وہ محض قوت ارادی کے بل پر سنبھلا رہا تھا۔

عارف بٹ انہیں اس کمرے میں لے گیا جہاں کی فضا بیٹر سے گرم تھی۔

کئی دن تک سردی کا مقابلہ کرنے کے بعد یہ گرم فضا ان دونوں کے لیے بڑی سورا انگیز ثابت ہوئی اور انہوں نے کرسیوں پر بیٹھ کر اپنے جسموں کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا۔

”میں حالات جاننے کے لیے مضطرب ہوں“ عارف بٹ نے پرمود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”لیکن آپ کی اور اعجاز کی حالت

صاف ظاہر کر رہی ہے کہ آپ کو آرام کی ضرورت ہے اس لیے میں کچھ نہیں پوچھوں گا“

”اگر کافی کی ایک پیالی اور ایک سگریٹ پینے کو مل جائے تو میں بالکل تازہ دم ہو جاؤں گا“ پرمود نے مسکراتے ہوئے کہا

”اس کے برعکس.....“ اعجاز پھینکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا

”مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ کافی کی دس پیالیاں پینے کے بعد بھی میری تھکن اس وقت تک نہیں اترے گی جب تک ایک ہفتہ بستر پر

پڑے ہوئے نہ گزر جائے“

”تو پھر تم آرام کرو، دیوان پر لیٹ جاؤ جا کر!“ عارف بٹ نے کہا

”لیکن آرام کرنے سے پہلے اس وردی سے پیچھا چھڑالینا ضروری ہے“ پرمود بولا

”میں ابھی شب خوابی کے لباس کا بندوبست کیے دیتا ہوں“ عارف نے کہا اور اس کمرے سے چلا گیا۔

بیس منٹ بعد اعجاز شب خوابی کا لباس پہنے اور لحاف اوڑھے دیوان پر آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ پرمود نے شب خوابی کے لباس پر گاؤن

بھی پہن لیا تھا۔

وہ اور عارف بٹ کرسیوں پر آٹمنے سامنے بیٹھے تھے۔ پرمود کے ہونٹوں میں سگریٹ دبی ہوئی تھی۔ درمیانی تپائی پر گرم گرم کافی کی

پیالیوں سے خوشبودار بھاپ اٹھ رہی تھی۔

کافی کے ساتھ عمدہ قسم کی سگریٹ نے پرمود کی تھکن کو جیسے نچوڑ کر رکھ دیا۔ اب بڑھے ہوئے شیو کے باوجود بھی اس کے چہرے پر

بشاشت نظر آنے لگی تھی۔ اس نے عارف بٹ کی بے چینی محسوس کرتے ہوئے اپنی داستان چھیڑ دی۔ فیونا کے تعاقب سے جزیرے پر ہونے والے

ہنگامے تک اور اس کے بعد سے جزیرے سے فرار تک وہ سب کچھ بیان کرتا چلا گیا۔

عارف بٹ ہمہ تن گوش تھا۔ پرمود نے ساری داستان سنا کر کہا ”اور پھر ان بڑے میاں کی کارہم نے یہاں سے تقریباً ڈھائی تین

فرلانگ کے فاصلے پر چھوڑ دی۔ وہاں سے یہاں تک گلیوں میں چھپتے چھپاتے آئے ہیں۔

”آپ واقعی ایک حیرت انگیز انسان ہیں میجر پرمود!“ عارف نے اسے تحسین آمیز نظر سے دیکھتے ہوئے کہا

”میرا خیال تو یہ ہے کہ میں کسی اعتبار سے بھی حیرت انگیز نہیں ہوں“ پرمود نے ہنس کر کہا

”جزیرے کے معرکے کا سہرا قطعی آپ کے سر ہے“

”یہ بتائیے کہ آپ سرکاری عہدیداروں کو اس بات کا یقین دلانے میں کیسے کامیاب ہوئے کہ اس جزیرے پر ریڈش جاسوسوں نے

اسلحہ ساز فیکٹری قائم کر رکھی ہے۔“

”میں نے انہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ اسلحہ ساز فیکٹری قائم کرنے والے ریڈش جاسوس ہیں“

”پھر۔“

”میں نے صرف اتنا بتایا تھا کہ اس جزیرے پر کسی نے خفیہ طور پر اسلحہ ساز فیکٹری قائم کر رکھی ہے۔“ عارف بٹ نے کہا

”میں نے یہاں کے پولیس چیف سے ملاقات کی تھی جو میرا دوست ہے“

”دوست ہے۔“ پرمود نے حیرت سے کہا

عارف بٹ اثبات میں سر ہلاتا ہوا مسکرایا، پھر بولا ”اس سے میرے بڑے اچھے تعلقات ہیں“

”خوب!“ پرمود نے کہا ”لیکن اس نے یہ ضرور پوچھا ہوگا کہ آپ کو اس کا علم کیسے ہوا“

”قدرتی بات ہے، اسے پوچھنا ہی چاہیے تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ گزشتہ رات کو میں ایک لائچ میں سمندر کی تفریح کرتا ہوا اس

جزیرے کی طرف جا نکلتا تھا۔ کچھ وقت میں نے جزیرے پر گھومتے ہوئے بھی گزرا اور اسی دوران میں مجھے وہاں چند آدمی نظر آئے۔ اتفاق سے

انہوں نے مجھے نہیں دیکھا لیکن میں نے ان کی باتیں سن لی تھیں۔ انہی باتوں سے مجھے پتا چلا کہ اس جزیرے پر اسلحہ ساز فیکٹری قائم ہے۔

”بس۔“

”ہاں میں نے اتنا ہی بتایا تھا“

” اور آپ کی بات پر یقین کر لیا گیا۔“

” اول تو یہ کہ پولیس چیف مجھے جھوٹا نہیں سمجھ سکتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ چند روز قبل بحری پولیس نے ایک ایسی لالچ پکڑی تھی جس پر اسلحے کی پیٹیاں تھیں۔ وہ لالچ اس وقت پکڑی گئی جب اسلحے کی پیٹیاں سن گراڈ کے ایک ویران ساحل پر اتاری جا رہی تھیں۔“

” ہوں!“ پرمود نے پر خیال انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا

” دراصل اسی لیے آپ کی بات پر یقین کیا گیا“

” بہر حال.....“ عارف بٹ نے کہا ”یہ معاملہ ملٹری سیکرٹ سروس کو ریفر کر دیا گیا ان لوگوں نے جزیرے پر اپنے دو جاسوس بھیجے۔ ان کے پاس ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر تھا۔ انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ اگر وہ جزیرے پر نا معلوم اور پراسرار آدمیوں کی نقل و حرکت دیکھیں تو ٹرانسمیٹر پر سگنل دے دیں چنانچہ ان دونوں نے ایسا ہی کیا۔ ان دونوں کو جزیرے والوں نے پکڑ لیا تھا لیکن وہ گرفتاری سے چند لمحے پہلے سگنل دے چکے تھے۔“

” تو پھر وہ دونوں جنہیں اسکاٹ پھانسی دینا چاہتا تھا وہی دونوں جاسوس ہوں گے“

” اندازے سے یہی کہا جاسکتا ہے“ عارف بٹ نے سر ہلاتے ہوئے کہا ”بہر حال ملٹری پہلے ہی سے تیار تھی۔ جاسوسوں کا سگنل ملتے ہی جزیرے پر یلغار کر دی گئی“

” آپ کو ان سب باتوں کا علم کیسے ہوا۔“

” پولیس چیف کو بھی ان باتوں کا علم ہو گیا تھا“ فون پر اس سے میری گفتگو ہوئی تھی۔

پرمود نے آخری گھونٹ لے کر کافی کا پیالہ خالی کر دیا اور اٹھ کر بیرونی رخ پر کھلنے والی کھڑکی کی طرف بڑھتا ہوا بولا ”اب میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ اسکاٹ کا کیا حشر ہوا۔ مجھے یقین ہے کہ جزیرے سے اڑنے والے ہیلی کوپٹر میں وہی ہوگا“

شاید ہی اسے بچ کر نکلنے دیا گیا ہو“ عارف نے کہا

پرمود کھڑکی کھول کر باہر دیکھنے لگا۔

” حقیقت کا علم آج کے اخبارات سے ہو جائے گا“ عارف پھر بولا

پرمود نے کچھ نہیں کہا اور باہر دیکھتا رہا۔ صبح کا دھیمادھیماسا اجالتا تاریک فضا کا جگر چاک کر رہا تھا اور پرندوں کے چہچہے سنائی دینے لگے

تھے

☆☆☆